شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفیؒ

۱۹۰۰ء — ۱۹۶۸ء

تقسیم بلا قیمت

ندوۃ المحدثین ، گوجرانوالہ پاکستان

۱. تقویۃ الایمان ـــــــ شاہ اسماعیل شہیدؒ
۲. مقدس رسولؐ ـــــــ شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ
۳. تقلید کیا ہے؟ ـــــــ مولانا بشیر الرحمٰن
۴. العلم والعلماء ـــــــ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری
۵. اسلام اور مسیحیت ـــــــ شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ
۶. جواباتِ نصاریٰ ـــــــ شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ
۷. نصرۃ الباری ـــــــ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری
۸. واقعۂ اِفک ـــــــ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفیؒ

واقعۂ اِفک

مصنفہ

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی رحمۃ اللہ علیہ

الناشر

ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ (پاکستان)

سلسلہ ندوۃ المحدثین

۸

نام کتاب ــــ واقعۂ افک

نام مصنف ــــ شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی رحمہ اللہ

صفحات ــــ ۴۸

تعداد ــــ دو ہزار

طبع اوّل ــــ ۱۹۸۲ء ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ

خوشنویس ــــ حسین احمد کیلانی تلمیذ سید نفیس رقم مدظلہ

تقسیم بلاقیمت

باہتمام

ضیاء اللہ کھوکھر، ۱۲/۱۳ اسلام آباد

گوجرانوالہ، پاکستان

236

تعارف

غزوہ بنی مصطلق، مُریسیع کے مقام پر شعبان ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ بنی مصطلق کا تعلق مریسیع کے قبیلے، خزاعہ کی ایک شاخ سے تھا۔ ان کے متعلق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں، تو آپؐ نے حالات کی تحقیق اور آگاہی کے لیے بریدہ بن خصیب کو روانہ فرمایا۔ تصدیق ہونے پر صحابہ کرامؓ کو تیاریٔ جہاد کا حکم صادر فرمایا۔ اس غزوہ میں منافقین کی کثیر تعداد عبداللہ بن ابیّ کی معیّت میں ہمراہ ہوئی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا بھی سفر جہاد سے ممتاز اور سرفراز ہوئیں۔ معمولی مقابلے کے بعد میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

واپسی کے دوران میں قافلہ مدینہ کے قریب قیام پذیر ہوا۔ علی الصبح حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لیے قافلے سے دور کھلے میدان کی طرف نکلیں تو محسوس ہوا کہ ہار ٹوٹ کر کہیں کھو گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا ہار کی تلاش میں مصروف ہو گئیں اسی اثناء میں قافلہ کوچ کر گیا۔ چنانچہ آپؓ تنہا ہی اُسی مقام پر تشریف فرما ہو گئیں کہ غیر موجودگی کا احساس ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بھیج دیں گے۔ اسی دوران میں صفوان بن معطل جو قافلے کے پیچھے چلتے ہوئے گمشدہ اشیاء کی بازیابی پر مامور تھے، اسی جانب آنکلے۔ آپ نے چادر میں لپٹی ہوئی کوئی چیز دیکھی وہاں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کو موجود پایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کو اونٹ پر سوار کرایا اور خود مہار تھام کر چل پڑے۔ تھوڑی ہی مسافت کے بعد قافلے کو جا لیا۔ جب عبداللہ بن ابیّ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کو اس حالت میں سوئے منزل دیکھا تو شدید شک

اور بدگمانی کا اظہار کیا۔ اور امّ المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا۔ اس واقعے کی تشہیر اس قدر مذموم اور مؤثر انداز سے کرنے لگا۔ کہ کئی صحابہؓ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اسے اِفک (بہتان اور تہمت) قرار دیا۔ اور حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی پاکدامنی کی شہادت میں آیات نازل فرمائیں۔

شیعہ حضرات، عبداللہ بن ابی کے زیرِ اثر، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے متعلق نہایت مذموم اور گھٹیا روش اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ اس واقعہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی کردارکشی میں بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔

منکرینِ حدیث نے اس واقعہ کے متعلق حدیث "حدیثِ اِفک" کا ہی انکار کر دیا۔ ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہمدردی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ وہ تو فرمودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے۔ انہیں اپنی بے راہ روی اور فکری آزادی کے لیے حدیث کا انکار مطلوب ہے۔ تمنا عمادی نے "حدیثِ اِفک" کو روایت کے اعتبار سے غلط تسلیم نہیں کیا۔ لیکن درایت کے اعتبار سے انکار کر دیا۔ ان کا مقصد حدیث کی اہمیت کو جھٹلانا اور حدیث سے استدلال کے معروف طریقِ کار کو رد کرنا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفیؒ نے تمنا عمادی کے اٹھائے ہوئے شبہات اور نکات پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ مولانا کے مقالات "الاعتصام" ۱۹۶۵ء کی پانچ اشاعتوں میں اشاعت پذیر ہوئے۔ حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف مدظلہ العالی کی خواہش کے احترام میں، اب انہیں کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے اہلِ علم و فکر اس کاوش کو بنظرِ تحسین دیکھیں گے۔

ضیاء اللہ کھوکھر

ندوۃ المحدثین کا ایک سال

نظریات کی اشاعت وتشہیر میں تحریر وتصنیف کا کردار بے حد مؤثر اور دوررس نتائج کا حامل تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابلاغ کے اس معروف ذریعے کو نظر انداز کر کے کوئی بھی جماعت کامیابی کا تصور نہیں کر سکتی بعض نظریات اور خیالات اس قدر مدلل اور قابل عمل نہیں ہوتے کہ عوام کو متاثر کر سکیں لیکن محض تحریر وتشہیر کے مؤثر استعمال کی بدولت جلد ہی لوگوں کو متوجہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

قرآن وحدیث کو اسلام میں بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے اہلحدیث کا یہی اصولی مؤقف رہا ہے۔ ان کے ہاں ایسا کوئی مسئلہ نہیں اور نہ ہی ایسا عمل مروج ہے۔ جس کی دلیل قرآن وحدیث سے حاصل نہ کی جا سکتی ہو یہی وجہ ہے کہ ان کے نظریات اور عقائد فطری طور پر بڑے پرکشش اور قابل عمل ہیں۔ اہل حدیث اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پر عمل میں اللہ اور رسول کے علاوہ کسی کی مداخلت کے روادار نہیں جبکہ دوسرے تمام گروہ اپنی اپنی پسندیدہ شخصیتوں کی تقلید میں بھٹکے ہوئے ہیں۔

اہلحدیث اکابر نے دعوت وتبلیغ کے اس مؤثر ذریعے کو کبھی نظر انداز نہیں کیا مقدور بھر کوشش کے ساتھ تحریر وتصنیف کے میدان میں پیش رفت کرتے رہے۔ اسی مساعی کے نتیجے میں مرکزی جمعیۃ اہلحدیث نے ادارہ اشاعۃ السنۃ کا قیام عمل میں لایا تھا چنانچہ کئی کتابیں شائع ہو کر برائے نام قیمت پر تقسیم ہوتی رہیں۔ اب چند برس سے یہ ادارہ غیر مؤثر ہے مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے رہنماؤں مولانا معین الدین لکھوی اور میاں فضل حق اشاعتی ادارے کے احیاء کے لیے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کوشش کر رہے ہیں۔ اس خلا کو پر کرنے کے لیے ایک سال قبل ندوۃ المحدثین کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس دوران میں آٹھ کتابیں پندرہ ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر بلاقیمت تقسیم کی گئیں۔

بعض احباب نے کتابوں کی بلاقیمت تقسیم کو پسند نہیں کیا اور لاگت کے برابر قیمت وصول کرنے کی تجویز پیش کی بعض کرم فرما بضد ہیں۔ کہ بلاقیمت تقسیم کی صورت میں فراہمی زر کے لیے اہل خیر کو متوجہ اور شریک کیا جائے لیکن چونکہ ندوۃ المحدثین دعوت وتبلیغ کی راہ پر گامزن ہے اس لیے نہ ہی تو قیمت وصول کی جا سکتی ہے اور نہ ہی رقم قبول کی جا سکتی ہے۔

فہرست

236

"واقعہ افک کے متعلق نئی ریسرچ"

تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں

ایک دوست نے "طلوع اسلام" اگست، ستمبر ۱۹۶۴ء کا مجموعی نمبر ارسال فرمایا۔ اس میں "مولانا" تمنا عمادی کا ایک مضمون حدیث افک کے متعلق مرقوم ہے۔ عمادی صاحب کا خیال ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے یہ عجمی سازش کی پیداوار ہے۔ باوجودیکہ یہ حدیث، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد، ابوعوانہ، مسند بزار اور مستند دواوین حدیث میں منقول ہے۔ لیکن عمادی صاحب کو اصرار ہے کہ یہ حدیث متواتر بھی ہو تو بھی وہ اسے موضوع ہی فرماویں گے۔ علم کا زور ہے۔ حضرات "علماء" جب کرنے پر آئیں تو وہ حق کو باطل اور باطل کو ایک لمحہ میں حق کہہ سکتے ہیں۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آج سے پہلے متواترات کا انکار یا انہیں ظنیات کا ہم مرتبہ کہنا صرف فرقہ سمنیہ کا خیال تھا۔ اب یہ مدعیانِ قرآن سمنیہ کی صفوں میں کھڑے ہو رہے ہیں۔ فرقہ سمنیہ برہمنوں سے ملتا جلتا ہے قدرت کی نیرنگی ملاحظہ ہو، برہمنوں کو تائید کے لیے چودھویں صدی کے گندم نما جو فروش مل گئے جو قرآن کی آڑ لے کر تواتر اور عقل کو بھی خیر آباد کہہ رہے ہیں۔

مضمون کے تین حصے

پیش نظر مضمون کے تین حصے کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ حدیث پر روایتاً بحث

۲۔ درایتاً بحث

۱؎ طلوعِ اسلام ص۴۳ بابت اگست و ستمبر ۱۹۶۴ء

۳۔ طلوعِ اسلام کا ضمیمہ۔

فن حدیث سے مولانا عمادی صاحب کافی حد تک بے خبر ہیں۔ وہ نہ محدث کی ذمہ داریاں کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی اہل سنہ کی شرائط کا کوئی خاکہ ان کی نظر میں ہے۔ اس حصّہ میں کہ غزوۂ بنی المصطلق کس سنہ میں ہوا، اختلاف ہے، امام بخاریؒ محدث ہیں اخباری نہیں۔ بخاری کی شرائط کا تعلق احادیث سے ہے۔ تاریخی نظریات پر محاکمہ کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ اصح الکتب حدیث کی حد تک ہے، اجتہادات یا تاریخی اختلافات کا فیصلہ امام نے اپنے ذمہ نہیں لیا۔ عمادی صاحب نے یہاں اپنا اور ناظرین کا وقت ضائع فرمایا۔

امام بخاریؒ نے غزوہ بنی المصطلق کے متعلق دو قول باحوالہ نقل کیے ہیں، غلطی کے امکان کے باوجود ناقل پر صرف صحت کی ذمہ داری ہو سکتی ہے۔ ابن خلدون جیسے تاریخ کے امام نے بھی اسے ۵ھ کے حوادث میں ذکر کیا ہے۔ (ابن خلدون ص۱۸۹ جلد ۲، طبع لبنان)

"واقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی شعبان من ھذہ السنۃ السادسۃ ثم غزا بنی المصطلق من خذاعۃ"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعبان ۶ھ تک مدینہ منورہ میں اقامت پذیر رہے پھر غزوہ بنی المصطلق کے لیے تشریف لے گئے۔"

بظاہر صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا۔ لیکن اس سے بخاری کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ ام رومانؓ کے انتقال کی تاریخ میں بھی اسی طرح اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ام رومان کا انتقال ۴ھ میں ہوا۔

ثقات الاوہام

ماہرین فن جانتے ہیں، غلطی کا امکان ہر مقام پر ہو سکتا ہے، ثقہ راوی اور بڑے بڑے حفاظ سے اوہام ہو سکتے ہیں۔ شریک بن عبداللہ کی روایت میں جو معراج نبویؐ کے متعلق مروی ہے۔ اس میں باتفاق ائمہ حدیث اوہام موجود ہیں۔

حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ کے لیے حضرت ابو سفیانؓ کی درخواست راوی کا وہم ہے۔

اندرونِ کعبہ نماز کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی نفی وہم ہے۔

صحیحین کی صحت انسانی مساعی کا شاہکار ہے۔ ائمہ کے استدراکات کے باوجود دنیائے علم کو اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ علی رغم الاعداء ماننا پڑا۔

اسی طرح حدیثِ افک میں ہو سکتا ہے۔

سعد بن معاذ کا تذکرہ کسی غلط فہمی پر مبنی ہو۔ میں یہ بہ طریق تنزل عرض کر رہا ہوں، ورنہ غزوہ بنی المصطلق اگر ۵ھ میں ہو تو واقعات کا انطباق ممکن ہے۔ لیکن تمنا صاحب کی اس بے ضرورت اور غلط بحث کو قبول کرتے ہوئے بھی میں صحیح بخاری کی صحت کو محفوظ سمجھتا ہوں اور حدیث افک کے وضع پر اس سے استدلال تمنائی ہفوات سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

کسی واقعہ کی تاریخ میں اگر اختلاف ہو جائے تو اس سے اصل واقعہ کا انکار عقلمندی کا تقاضا نہیں، تاریخ اور رجال کی کتابیں ایسے اختلافات سے بھری پڑی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ معراج کی تاریخ کے تعین میں اختلاف ہے۔ روزہ، زکوٰۃ اور حج کے اوقاتِ فرضیت میں اختلاف ہے۔ کیا اس اختلاف کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود اور باقی حوادث کا کلی طور پر انکار کر دیا جائے۔ ممکن ہے اہلِ قرآن کے عقلاء کو اس پر اصرار ہو، دنیا کے دانش مند تو یہ اصل قبول نہیں کر سکتے۔ اس لیے تمنا صاحب کی بحث کا یہ حصّہ لاحاصل اور بے سود ہے۔ یہ اختلافات نہ ہوں تو علمی مباحث اور اہلِ علم کی محنت اور کاوش کی ضرورت ہی نہ رہے۔ جہاں کسی معاملہ میں جزوی اختلاف ہوا، واقعہ کا انکار کر دیا اور چھٹی ہوئی۔

ایسے بے سود مباحث کو بے ضرورت طول دینے میں غالباً تمنا صاحب کو مرزا غلام احمد صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مرزا صاحب تکرار سے اذہان میں تشویش پیدا کر دیتے تھے۔ یہی عمادی صاحب کا کام ہے۔

عمادی صاحب نے "طلوعِ اسلام" میں ایک دفعہ امام زہریؒ کے متعلق لکھا تھا کہ یہ عجمی ہے اور موضوع اور غلط روایات کرنا ان کی عادت ہے۔ اس کا جواب اسی وقت پوری تفصیل سے "الاعتصام" میں دے دیا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو الاعتصام ۶ اپریل ۱۹۵۱ء)

حدیث افک" میں کوفے اور بصرے اور قاتلانِ عثمانؓ کا تذکرہ تاریخی بدحواسی ہے۔ اور ایک جذباتی انداز، چونکہ حدیث کی وضع و تخلیق کے معاملہ میں شیعہ حضرات کافی بدنام ہیں۔ اور ان کے ہاں تقیہ کی بے اعتدالی نے جھوٹ کے لیے شرعاً بھی کچھ وجہ جواز پیدا کردی ہے۔ عمادی صاحب افک پر بحث فرماتے ہوئے ان جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ورنہ حدیثِ افک اتنی اسانید سے مروی ہے کہ وہاں کوفے یا بصرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں مدنی اور شامی حضرات بھی کافی ہیں۔

حدیث افک اور امام زہریؒ

عمادی صاحب نے مضمون کے آغاز میں ایک عجیب ڈینگ ماری ہے جس سے غرض یہ اثر دینا ہے کہ عمادی صاحب نے حدیثِ افک کی ساری اسانید پر عمیق نظر کے بعد یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ حالانکہ اس کی حیثیت ایک تک اور ڈینگ سے زیادہ نہیں محترم عمادی صاحب فنِ حدیث سے ناواقف ہیں، کتبِ رجال کے متعلق ان کا ذوق ائمہ سنت اور اہلِ فن سے بالکل مختلف ہے۔ عمادی صاحب فرماتے ہیں۔

"اسی واقعہ مکذوبہ کے متعلق جتنی روایتیں خصوصاً آپ کو صحاح میں ملیں گی۔ وہ سب کی سب ابن شہاب زہریؒ ہی سے ملیں گی اور ابن شہاب زہریؒ کا حال میں پوری تفصیل کے ساتھ "طلوعِ اسلام" میں لکھ چکا ہوں وہ منافقین و کذابین کے نادانستہ ہی سہی مگر .... مستقل ایجنٹ بنے ہوئے تھے۔"

(طلوعِ اسلام ص۳۳ اگست ستمبر ۱۹۶۴ء)

ان سطور میں عمادی صاحب نے کئی دعوے کیے ہیں۔

۱۔ قصہ افک کی تمام روایات زہری سے ہی مروی ہیں

۲۔ یہ سب روایات مکذوبہ ہیں۔

۳۔ زہری منافقین اور کذابین کے ایجنٹ ہیں۔

عمادی صاحب نے بڑی عنایت فرمائی کہ انہوں نے امام زہریؒ کو منافقین اور

کذابین کا ایجنٹ فرمایا، اگر عمادی صاحب اپنی اردو عبارت کو سمجھ رہے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام زہری خود نہ جھوٹے ہیں نہ منافق بلکہ نادانستہ طور پر ان کے پاس کذب اور نفاق کی صرف ایجنسی ہے۔ مگر پورے مضمون میں نفاق اور جھوٹ کے اصل مالک اور تاجر کا، عمادی صاحب پتہ نہیں دے سکے، کوفے بصرے اور قاتلین عثمانؓ ایسے مبہم یا مجمل دعاوی سے کوئی الزام ثابت نہیں ہوتا۔ آپ کا دراصل ایک فوجداری کیس ہے جو آپ کسی پارٹی کے خلاف علم و دیانت کی عدالت میں پیش کر رہے ہیں، مگر اصل مدعی علیہ کا پتہ نہیں دیتے، اس لیے آپ کا یہ مضمون بالکل بے کار اور بے سود ہے۔ زہریؒ تو بچارے دانستہ یا نادانستہ ایجنٹ ٹھہرے۔ آپ کے ذمہ بحیثیت مدعی یہ فرض ہے کہ اصل وضّاع اور جھوٹے کا صاف صاف نام لیں۔ ایجنٹ بے چارہ جب تک اسے حقیقت حال کا علم نہ ہو مجرم نہیں، علم بھی ہو جائے تو ترتیب کے لحاظ سے مدعی علیہ ۲ ہوگا۔

اور آپ پاکبازوں پر تہمت لگانے کے فوجداری جرم میں اوّل مجرم ہیں۔ رمی المحصنین اگر جرم ہے تو آپ ۸۰ کوڑوں کے مستحق ہیں، تہمت تراشی محسن پر ہو محصن پر جرم میں کوئی فرق نہیں۔

اب رہا پہلا دعویٰ کہ یہ حدیث صرف زہری سے مروی ہے۔ میں اس کے تقریباً ۲۴ طرق مختلف دفاتر سنت سے پیش کر رہا ہوں۔ ان میں سے اکثر طرق صحیح بخاری ہی سے نقل ہیں۔

طُرُقِ حدیث الافک

۱۔ قال ابن اسحٰق حدثنا الزہری عن علقمۃ بن وقاص و عن سعید بن جبیر و عروۃ بن الزبیر و عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ عن عائشۃ (ابن کثیر ص۳۷ جلد ۶)

۲۔ قال ابن اسحاق حدثنی یحیی بن عباد بن عبد اللہ بن الزبیر عن ابیہ عن عائشۃ (روض الانف مع ابن ہشام ص۲۲۰)

۳۔ حدثنا ابو الربیع سلیمان بن داؤد وافھمنی بعضہ احمد قال حدثنا فلیح بن سلیمان عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر وسعید بن المسیب وعلقمۃ بن وقاص وعبید اللہ بن عبد اللہ عن عائشۃ فیہ سعید بن المسیب بدل سعید بن جبیر (صحیح بخاری مجتبائی ص۳۶۳)

۴۔ حدثنا ابو الربیع حدثنا فلیح عن ھشام بن عروۃ عن عروۃ عن عائشۃ (صحیح بخاری ۳۶۵)

۵۔ حدثنا ابو الربیع وحدثنا فلیح عن ربیعۃ بن عبد الرحمن ویحییٰ بن سعید عن القاسم بن محمد بن ابی بکر۔ (صحیح البخاری ص۱۱ ج۵ ص۳۶۵ ج۱)

۶۔ حدثنی یحییٰ بن بکیر حدثنا اللیث عن یونس عن ابن شہاب عن الاربعۃ۔

۷۔ عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری عن عمرۃ اخبرنی ابی عن عائشۃ (ابن کثیر ج۶ ص۴۲)

۸۔ وقال ابو اسامۃ عن ھشام بن عروۃ قال اخبرنی ابی عن عن عائشۃ الخ۔ (ابن کثیر ص۴۳۔ ج۶)
حدثنا ابن ابی عدی عن محمد بن اسحٰق عن عبد اللہ بن ابی بکر عن عمرۃ۔

۹۔ اخبرنا علی بن عاصم اخبرنا حصین عن ابی وائل عن مسروق عن امّ رومان۔ (احمد، ابن کثیر ص۴۶، ج۶)

۱۰۔ بخاری۔ عن موسیٰ بن اسمٰعیل عن ابی عوانۃ ومحمد بن سلام عن محمد بن فضیل کلاھما عن حصین و

لفظ ابی عوانۃ قال مسروق حدثنی ام رومان۔

۱۱۔ ورواہ بعضھم عن مسروق عن عبداللہ بن مسعود
(ابن کثیر) ج ۶)

۱۲۔ حدثنی محمد بن عثمان الواسطی حدثنا جعفر بن عون
عن المعلی بن عرفان عن محمد بن عبداللہ بن جحش قال
تفاخرت زینب وعائشۃ الخ (ابن کثیر صـ۸۴ ج ۶)

۱۳۔ قال محمد بن عمر الواقدی حدثنی ابن ابی حبیب عن داؤد
بن الحصین عن ابی سفیان عن افلح مولیٰ ابی ایوب
ان ام ایوب قالت لابی ایوب لا تسمع ما یقول النّاس
فی عائشۃ (ابن کثیر صـ۷۹۔ ج ۶)

۱۴۔ حدثنا حجاج ثنا عبداللہ بن عمر النمیری۔
(صحیح بخاری صـ۳۵۹ ج ۱ مجتبائی۔

حدثنا یونس عن ابن شہاب } ایضاً صـ۴۰۳ ج ۱
۱۵۔ حدثنا لیث عن یونس عن ابن شہاب } صـ۵۱۳ ج ۲ صـ۲۷ ج ۲ صـ۹۸۵ ج ۲ صـ۱۱۱ ج ۲

۱۶۔ محمد بن مقاتل انا عبداللہ انا یونس عن الزھری
(صحیح بخاری صـ۳۷۰ ج ۱)

۱۷۔ حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ حدثنا ابراھیم بن سعد
عن صالح ابن شہاب (صـ۵۹۳ ج ۲)

۱۸۔ حدثنا موسیٰ حدثنا ابو عوانۃ عن حصین عن ابی وائل
حدثنی مسروق بن الاجداع حدثنی ام رومان۔
(صحیح بخاری ج ۲ صـ۲۸۰)

۱۹۔ حدثنا ابو نعیم قال حدثنا سفیان عن معمر عن الزھری
(بخاری صـ۲۹۶ ج ۲)

۲۰۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر قال حدثنا اللیث عن یونس عن ابن شہاب (بخاری ص۱۹۶ ج۲۔ ص۱۱۲۶ ج۲)

۲۱۔ حدثنا محمد بن کثیر قال اخبرنا سلیمان عن حصین عن ابی وائل عن مسروق عن ام رومان (بخاری ص۵۹۸ ج۲)

۲۲۔ حدثنا ابراهیم بن موسیٰ حدثنا هشام ان ابن جریج اخبرهم قال ابن ابی ملیکة سمعت عائشه (بخاری ص۵۹۸ ج۲)

۲۳۔ حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحییٰ عمر بن سعید بن ابی حسین حدثنی بن ابی ملیکة قال استأذن ابن عباس قبل موتها علی عائشة الخ (صحیح بخاری ص۳۹۹ ج۲)

۲۴۔ حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا عبدالوهاب بن عبدالحمید قال حدثنا ابن عون عن القاسم ان ابن عباس استأذن علی عائشة الخ ص۳۹۹، ج)

۲۵۔ حدثنا محمد بن یوسف حدثنا سفیان عن الاعمش عن ابی الضحیٰ عن مسروق عن عائشة قالت جاء حسان بن ثابت (ص۵۹۹ ج۲)

۲۶۔ حدثنی محمد بن بشار قال حدثنا ابن ابی عدی قال انبأنا شعبة عن الاعمش عن ابی الضحیٰ عن مسروق قال دخل حسان بن ثابت علی عائشة۔

۲۷۔ تعلیقاً۔ قال ابواسامة عن هشام بن عروة فاخبرنی ابی عن عائشة (ص۹۰۸ ج۲)

۲۸۔ حدثنا عبدالعزیز قال حدثنا ابراهیم عن صالح عن ابن شهاب (ص۱۰۹۶ ج۲۔ ص۹۹۸ ج۲)

۲۹۔ محمود بن غیلان حدثنا ابواسامة عن هشام بن عروة عن

ابیہ عن عائشۃ (ترمذی مع تحفہ ص۱۵۵ ج۴) وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب۔

۳۰۔ حدثنا عبد ارحدثنا ابن ابی عدی عن محمد بن اسحاق عن عبد اللہ بن ابی بکر عن عمرۃ عن عائشۃ (ترمذی ص۱۵ ج۲)

۳۱۔ اخبرنا مالک بن اسمٰعیل حدثنا زھیر حدثنا عبد اللہ بن عثمان قال حدثنی عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکۃ انہ حدثہ ذکوان حاجب عائشۃ انہ جاء یستاذن علی عائشۃ فجئت وعند راسھا ابن اخیھا عبد اللہ بن عبد عبد الرحمٰن فقلت ھذا عبد اللہ بن عباس یستأذن علیک الخ (ابن سعد ج ۸)

۳۲۔ حدثنا ابو الربیع العتکی حدثنا فلیح بن سلیمان (صحیح مسلم ص۳۶۷)

۳۳۔ حدثنا الحسن بن علی الحلوانی وعبد بن حمید حدثنا یعقوب بن ابراھیم بن سعد حدثنا ابی عن صالح بن کیسان کلاھما عن الزھری۔ (ایضاً)

۳۴۔ حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ ومحمد بن العلاء قال حدثنا ابو اسامۃ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ الخ (ایضاً)

نمبر ۳۴ وہی حدیث ہے جس کا ۲۷ میں بخاری سے تعلیقاً ذکر آیا ہے صحیح مسلم کی باقی اسانید تقریباً صحیح بخاری کی اسانید ہیں۔

امام بخاری علیہ الرحمہ نے قصہ افک کو صحیح بخاری میں تقریباً ۱۴ مقام پر نقل فرمایا ہے۔ دو مقام پر تعلیقاً اور ۱۲ مقام پر پوری اسناد کے ساتھ مرفوعاً بعض مقامات پر موضوع اور باب کے لحاظ سے اختصار فرمایا ہے اور بعض مقامات میں مفصل قصہ ذکر کیا ہے۔

عمادی صاحب نے شہادات مغازی تفسیر وغیرہ مقامات پر دیکھ کر فیصلہ کر دیا کہ

امام زہریؒ کے سوا کسی سے یہ ثابت ہی نہیں، تعجب ہے ان حضرات میں کس قدر جرأت ہے، اس طرح ڈینگیں مارنے میں ان حضرات کو حجاب محسوس نہیں ہوتا۔

جہالت اور لاعلمی میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ انسان حجاب اور شرم محسوس نہیں کرتا۔ تمنا صاحب تو ویسے بھی ادارہ "طلوع اسلام" کے راجہ شمار ہوتے ہوں گے، ان کی رجال پر نقد بود محل نظر ہے اور ان حضرات میں مخصوص انداز کے سوا کچھ بھی نہیں۔

میں نے قصہ افک کی اسانید کا استیعاب نہیں کیا۔ صحیح بخاری، مسلم، ابن کثیر، ابن سعد، جامع ترمذی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ طبری کا تذکرہ میں نے عمداً نہیں کیا طبری کی تمام اسانید کا مدار امام المغازی، شیخ الاسلام محمد بن اسحاقؒ پر ہے۔ گو وہ سیرت اور مغازی کے امام ہیں مگر تمنا صاحب کو ان دونوں سے جتنہ للہ بغض ہے۔

بعض اسانید میں تکرار ہے لیکن محدث کی طرف سے ایک دو راوی جدا تھے میں نے اسے الگ ذکر کر دیا ہے تاکہ دانشمند محسوس کریں کہ یہ حدیث کن اکابر فن کی نظر میں رہی لیکن کسی کے ذہن میں یہ ذلیل کھٹکا نہیں ہوا، جو عمادی صاحب اور ادارہ طلوع اسلام کے اذہان پر مسلط ہے یعنی عجمی سازش، اس ناسور کا اپریشن میں نے اپنے رسالہ "حدیث کی تشریعی اہمیت" میں کر دیا ہے۔

ان اسانید پر غور کرنے سے آپ معلوم فرما سکیں گے کہ امام العصر حافظ السنۃ ابن شہاب محمد بن مسلم زہریؒ کے علاوہ اور کس قدر آئمہ نے اسے روایت کیا ہے۔ عمادی صاحب قلت مطالعہ کے مریض ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ ابن شہاب کے علاوہ کس قدر ائمہ حدیث نے حدیث افک کو روایت فرمایا ہے۔

میں نے ان روایات کا بھی یہاں ذکر کر دیا ہے۔ جن میں قصہ افک کا تذکرہ اجمالاً یا تفصیلاً نہیں بلکہ اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ یعنی حضرت عائشہؓ پر یہ تہمت لگائی گئی یا جیسے حضرت ابن عباسؓ کے مرض الموت میں حضرت عائشہؓ کا پاس آنا اور آپ کی براءت کا ذکر ان احادیث کی اسانید میں بیسیوں رجال موجود ہیں۔ ان اکابر علم نے ان احادیث اور اسانید کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن کسی کے دماغ میں یہ جنون نہیں سمایا جس کا تسکا ر بیچارے

عمادی صاحب اور طلوعی خاندان ہوا ہے۔ ان ائمہ حدیث کے علاوہ صحابہ سے اس قصہ کے شاہد امّ رومان حضرت عائشہؓ کی والدہ، زینب بنت جحش امّ المومنین، ابن عباسؓ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش وغیرہم رضی اللہ عنہم ہیں۔

اسانید آپ کے سامنے ہیں، تمنا صاحب اور ان کا خاندان "عقلۃ العیان" ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں زہریؒ کے سوا اور بھی کوئی ہے یا نہیں؟ زہریؒ کے کتنے ہم قرن اس قصہ کی روایت اور حکایت میں امام زہریؒ کے ساتھ شریک ہیں۔ زہریؒ کے تلامذہ اور اساتذہ کی ایک بڑی جماعت اس واقعہ کی روایت میں شریک ہے ان میں کوئی بھی عجمی سازش کا سراغ نہ لگا سکا۔ امام زہریؒ کا دامن تو یقیناً کذب اور نفاق سے پاک ہے۔ اور آپ حضرات یقیناً عجمی سازش کا شکار ہیں۔ جس کا منصوبہ مستشرقین غرب اور مصر کے ملاحدہ نے تیار کیا اور آپ جیسے کچھ دانستہ یا نادانستہ اس سازش میں شریک ہوگئے۔ اور آپ نے وہ کام کرنے کی کوشش کی جو عرب اور عجم کے منافق اجتماعی طور پر بھی نہ کر سکے اور یقین ہے کہ آپ بھی نہ کر سکیں گے۔

زہریؒ اور روایت بالمعنیٰ

بعض ائمہ حدیث روایت بالمعنیٰ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہی بیان کیے جائیں۔ لیکن چونکہ روایت بالمعنیٰ کا رواج صحابہؓ سے ہی آرہا تھا۔ اس کا رواج عام ہوگیا۔ حدیث افک میں امام زہری نے اپنے چار، اساتذہ سے اس واقعہ کے بعض حصص کو سنا۔ ان چار میں سے سعید بن مسیب کی بجائے سعید بن جبیر کا ذکر فرمایا ہے ہر ایک نے اس واقعہ کے بعض اجزاء ذکر فرمائے۔ ان میں ایک دوسرے کی تصدیق تھی۔ واقعہ کی تفصیلات میں الفاظ کا اختلاف تھا۔ امام زہریؒ نے پورے واقعہ کو چاروں اساتذہ سے سن کر مرتب فرمایا۔ تاکہ واقعہ یکجا آجائے۔ امام زہریؒ پر گو بعض ائمہ نے اعتراض کیا ہے لیکن یہ روایت بالمعنیٰ ہی کا ایک طریق ہے عام ائمہ حدیث نے اسے پسند کیا اور زہریؒ سے اس حدیث کو بلا نکیر روایت کیا ہے۔

عمادی صاحب کی دانش مندی قابلِ داد ہے ۔ فرماتے ہیں کہ ۔!

"یہ پوری حدیث خود ابن شہاب کی تالیف کردہ ہے"

کس قدر جرأت ہے ۔ غلط گوئی اور جھوٹ کی کتنی دلیرانہ واردات ہے سند موجود ہے ۔ اساتذہ موجود ہیں ۔ اور مختلف حصص بھی کتب احادیث سے مِل سکتے ہیں لیکن دیانت ملاحظہ فرمائیے کہ "یہ پوری حدیث زہریؒ کی تالیف ہے" یہ حضرات ہیں جو ائمہ حدیث کی دیانت پر حملہ آور ہوتے ہیں زہریؒ کے اس صنیع کو ناپسند کرنا دوسری بات ہے لیکن اسے زہریؒ کی تالیف کہنا دیانت داری کے منافی ہے ۔

ادراج

عام ائمہ حدیث درس تدریس کے وقت بعض الفاظ شرح و تفسیر کے طور پر فرما دیتے ۔ ذہین طالب علم متن اور تشریح میں امتیاز کر لیتے اگر شبہ ہوتا تو دریافت فرما لیتے اساتذہ ضرورۃً ایسا کرنے پر مجبور تھے ۔ افہام و تفہیم کے لیے یہ ضروری تھا ۔

عمادی صاحب کے علم کی طغیانی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ موسیٰ بن عقبہ اپنے استاد امام زہریؒ کو "ڈانٹ دیا کرتے تھے" گویا موسیٰ بن عقبہ بھی منکرین حدیث کی طرح گستاخ اور استاد کے بے ادب تھے ۔

عمادی صاحب اور اُن کی جماعت آزاد ہیں اپنے اساتذہ سے جس طرح چاہیں معاملہ کریں ۔ لیکن انہیں ائمہ سنّت کے متعلق ایسی غلط تعبیر سے پرہیز کرنا چاہیئے ۔

امام زہریؒ اور عروہ بن زبیرؓ

عمادی صاحب نے بے ضرورت ذکر چھیڑ دیا کہ "امام زہریؒ کا سماع عروہ بن زبیر سے ثابت نہیں ۔ اگرچہ محدثین نے اجماع کر لیا ہے کہ ضرور سنا ہو گا"

یہ فقرہ عجیب ہے ، گویا محدّثین کا اجماع خلاف واقعہ ہے ، غلط ہے اور حدیث پر سماع یا عدم سماع کا کوئی اثر نہیں ، بہتر یہ ہے کہ عمادی صاحب یہ تذکرہ نہ چھیڑتے یا پھر اس کے لیے دلائل دیتے ، بہرحال ہم عمادی صاحب کی معلومات میں اضافہ کے لیے عرض کرتے ہیں ۔

روی عنه (عروة بن زبیر عطاء وابن ابی ملیکة و عراک بن مالك وابو سلمة بن عبد الرحمٰن والزہری وعمر بن عبد العزیز وبنوہ اھ۔

"عطاء بن ابی ملیکہ، عراک بن مالک، ابو سلمہ اور زہری، عمر بن عبد العزیز اور ان کے لڑکوں نے عروہ بن زبیرؓ سے سُنا" اھ۔ (تہذیب الاسماء واللغات صفحہ ۳۳۱ جز۱)

عروہ بن زبیر کا انتقال ۹۴ھ یا ۹۹ھ میں ہوا۔ امام زہریؒ ۵۱ھ میں پیدا ہوئے ان کا انتقال ۱۲۴ھ میں ہوا۔ اور وقوع سماع دونوں موجود ہیں۔

عمادی صاحب کو معلوم نہیں کیا تکلیف ہے وہ خواہ مخواہ محدثین کو بدنام کرتے ہیں۔ اس موضوع پر اگر مزید شواہد کی ضرورت ہو تو عرض کیے جا سکتے ہیں آپ کی درایت' اس کا تجزیہ بھی عنقریب ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔

جب تک دنیا میں یہ فقراء کی جماعت موجود ہے دلائل کی حد تک تو حدیث اور محدثین سے دفاع ہوتا رہے گا۔ البتہ سینہ زوری سے آپ کو روکنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

قاتلین عثمانؓ اور جنگِ جمل

پھر اس جھوٹ کے لیے بھی کوئی وجہ جواز ہونی چاہیئے کہ قاتلین عثمانؓ نے بقول عمادی صاحب حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کیوں کی۔ جنگ جمل میں کئی حضرات اور بھی شریک تھے۔ اسی جنگ میں حضرات عائشہؓ نے حضرات عثمانؓ کے قصاص کا سوال بڑی اہمیت سے اٹھایا۔ لیکن حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ اسی جنگ میں قائد کی حیثیت سے شریک تھے صفوان بن معطل صبح کے بعد چند گھنٹے حضرت عائشہؓ کی معیت میں چلے، لیکن جنگِ جمل میں تو حضرت عائشہؓ کی معیت کا معقول شرکاءِ جمل کو موقعہ ملا آپ کے عجمی سازش کرنے والوں کے لیے یہ بہترین موقعہ تھا۔ بیک کرشمہ دو کار کی صورت ہو جاتی۔ حضرت عائشہؓ بھی بدنام ہو جاتیں، رفقائے جمل بھی بدنام ہو جاتے۔ قرآن کے نزول سے برأت کا بھی کوئی امکان نہ

ہوتا۔ افسوس ہے کہ ان عجمی حضرات نے سازش کے لیے عمادی صاحب اور ادارہ "طلوع" سے مشورہ نہ کیا۔

منافقین کا اطمینان

یہ آپ نے صحیح فرمایا کہ نزولِ قرآن سے منافقین کا اطمینان کیسے ہوگیا۔ جو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو پیغمبر مانتے تھے۔ نہ قرآن کو مُنزّل مِنَ اللہ۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کا اطمینان مطلوب ہی کہاں تھا؟ ایسے واقعات میں سادہ دل مسلمانوں پر جو اثر ہوا تھا، حمنہ بنت جحش، حسان بن ثابتؓ، حضرت علیؓ ایسے حضرات اس افواہ سے قدرے متاثر ہوئے تھے، قرآن کے نزول سے ان مسلمانوں کی تسکین مطلوب تھی۔ جو بحمداللہ ہوگئی۔ عبداللہ بن اُبیّ تو بدستور آپ کی طرح غیر مطمئن رہا۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون۔

مرزا حیرت اور سید سلیمان ندویؒ

حدیث پر کلام کے لیے نہ مرزا حیرت کے ترجمہ کی ضرورت تھی۔ نہ سید سلیمان صاحبؒ کی ترجمانی کی یہ محض طولِ اور اطناب ہے۔ اس سے اوراق سیاہ کرنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں مرزا حیرت نے گو ترجمہ کیا، لیکن حجیّتِ حدیث کے متعلق ان کی رائے بھی اہلِ قرآن سے ملتی جلتی ہے۔ وہ ترجمہ کے بارے میں صاحبِ فن نہیں، بلکہ آپ کی طرح مزدور ہیں جس طرح آپ فنِ حدیث سے بے بہرہ ہونے کے باوجود لکھتے ہیں۔ آپ کی ان سرخرفات کا اہلِ علم اور ماہرین پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔؟

سید صاحب عالم ہیں۔ ان کی حدیث پر نظر ہے انہوں نے ملخص طور پر حدیث کا مضمون واضح فرمایا۔ آپ کی نظر کو وہ وقت کہاں نصیب جو اللہ تعالٰے نے سید صاحب کو عطا فرمائی آپ نے سید صاحب کے ارشادات سمجھے بغیر ان پر تنقید شروع کردی۔ طول مدعا کے لیے آپ نے سید صاحب اور مرزا حیرت کو عنوان بنالیا جب آپ کو امام زہریؒ پر

اعتماد نہیں تو سید صاحب کی آپ کے نزدیک کیا اہمیت ہوگی۔ اس لیے ان کو درمیان میں لانے سے کیا فائدہ؟

وضعِ حدیث کا زمانہ

اس عنوان کے ضمن میں عمادی صاحب نے ایک عجیب تُک لگائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "حدیث ائک کے وضع کا آغاز جنگِ جمل کے بعد قاتلین حضرت عثمانؓ نے کوفہ اور بصرہ ہی میں کر دیا تھا۔ اور یہ ۵۰ھ یا ۶۰ھ کے پس و پیش کا زمانہ ہے۔"

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عمادی صاحب نے کوئی اہم تاریخی انکشاف فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ وضعِ حدیث کی تاریخ اور وقت تک کی نشاندی فرما دی ہے۔ لیکن اس کا نہ کوئی حوالہ دیا ہے نہ کوئی عقلی قرینہ اس پر قائم فرمایا۔ بلکہ گپ لگا کر عوام کو مغالطہ میں ڈال کر خاموشی سے آگے بڑھ گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عمادی صاحب نے اس حدیث کی وضع کا بہتان رئیس المحدثین امام زہریؒ پر لگایا ہے۔ اور امام زہریؒ کی پیدائش چونکہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ کے پس و پیش ہے۔ اس لیے تمنا صاحب نے تُک سے یہ جوڑ لگا دیا کہ اس حدیث کے وضع کا یہی زمانہ ہے۔ لیکن عقل مند آدمی اتنا نہیں سمجھ سکا کہ زہریؒ نے پیدا ہوتے ہی حدیث کے وضع کا مشغلہ شروع کر دیا تھا۔ اگر زہری ایجنٹ تھے تو اصل واضع کون ہیں، جنہوں نے امام زہریؒ کو ایجنسی دے کر وضع کا کاروبار شروع کیا اور وہ بھی ۵۰ھ کے پس و پیش میں ہی پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے ہی یہ کاروبار شروع کر دیا۔ اگر وہ لوگ پہلے سے موجود تھے تو تمنا صاحب کا یہ اندازہ غلط ہوگا پھر وضع کا زمانہ کئی سال پہلے ہونا چاہیے۔

قاتلین عثمانؓ کون تھے

کچھ شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت امت کے لیے ایک حادثہ ہے۔ یہ سانحہ آنے والے حوادث کے لیے بنیاد ہے۔ پہلی اہم بے انصافی یہی ہے جو اس مقدس بے قصور اور پاکباز امام کے ساتھ روا رکھی گئی۔ یہ لوگ آنے والے جرائم میں برابر کے شریک ہیں

اس میں بھی شک نہیں کہ مدینہ کے اس ہنگامہ میں حضرت علیؓ کی روش اس قدر صاف نہیں جتنا اسے صاف ہونا چاہیئے۔ حضرت حسنؓ کا تدبر اس وقت، وقت کے تقاضوں کے مطابق تھا۔ حضرت علیؓ کا دامن اس سازش سے بالکل پاک ہے۔ لیکن ان کی خاموشی ان کی پوزیشن کو مشکوک ضرور قرار دیتی ہے۔

لیکن امام زہریؒ کا قاتلین عثمانؓ سے کیا رابطہ تھا۔ ان کا تعلق خلفاء بنی اُمیّہ سے عبدالملک بن مروان، ہشام بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز سے تھا۔ یہی ارباب خیر اور ارباب اقتدار تھے، جن سے امام زہریؒ کے مراسم رہے۔ اس وقت قاتلینِ عثمانؓ کا دخل نہ اقتدار میں تھا نہ ہی علمی محفلوں میں ان کی کوئی وقعت تھی اس لیے زہری پر قاتلینِ عثمانؓ سے سازش کی تہمت عقل کا تقاضا ہی معلوم نہیں ہوتا۔

عمادی صاحب، زہریؒ کے مراسم قاتلینِ عثمانؓ سے بتاتے ہیں مصر کا ملحد شیخ ابوریہ اور یورپین مستشرق گولڈ لیسر وغیرہ انہیں بنو اُمیہ کی وفاداری سے متہم کرتے ہیں۔

ایک ایسا آدمی جو اپنا علمی کارنامہ تدوین حدیث پورا کرنے کے بعد اپنے خُدا کو پیارا ہو گیا۔ اس کی پوری زندگی تاریخ کی امانت ہے عمادی صاحب اور ان کے رفقاء ان کو قاتلینِ عثمانؓ کا ایجنٹ سمجھتے ہیں اور ملحدین یورپ اسے بنو امیہ کا حاشیہ بردار سمجھتے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ کوئی شخص تاریخی مظلوم ہو سکتا ہے۔ ملحدین یورپ کے لیے تو غلط صحیح طور پر بنو امیّہ کے اقتدار کی آڑ لی جا سکتی ہے۔ مگر ہمارے صاحب صرف تک بازی پر گذر فرماتے ہیں۔ اس باؤلے پن کا انجام منٹل ہسپتال ہی ہو سکتا ہے۔

یہ دور بنی امیّہ کے عروج کا ہے۔ قاتلین عثمانؓ کے لیے کسی حلقہ میں بھی کوئی مقام نہیں امام زہریؒ ایسا عقلمند اگر دنیا کے لیے کسی غلط راہ پر بھی چلتا تو اس کے لیے بنو امیہ کی چوکھٹ سے بہتر کوئی مقام نہ تھا۔ حالانکہ زہریؒ کے خلوص اور بے نیازی کا یہ عالم ہے۔ عمر بن دینار فرماتے ہیں۔

ما رایت الدینار والدرھم عند احد اھون منه عند
الزھری کانھا بمنزلة البعر

"زہریؒ کے نزدیک دینار و درہم کی وقعت لید، گوبر سے زیادہ نہ تھی۔"
(العبر للذہبی ص۱۵۹ ج۱، تذکرہ الحفاظ ص۱۹ ج۱)

عمادی صاحب بتا سکتے ہیں کہ امام زہری پر اس تہمت میں درایتہً ان کا کیا موقف ہے؟ نقل ان کی مؤید ہے نہ درایت، شیعہ سے ایک جذباتی چھیڑ کے علاوہ یہاں قاتلین عثمانؓ کے ذکر کا کوئی فائدہ بھی ہے؟

حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کی طلب کے لیے "جنگ جمل" کی قیادت فرمائی۔

زہری نے قصۂ افک کی تفصیلات روایت فرمائیں، آپ نے اس کا جوڑ قاتلین عثمانؓ سے جوڑ دیا اور رست ہے یہاں چار سو بیس کے لیے کچھ گنجائش ہو گئی۔

فدک اموال خیبر کی بحث اور امام زہریؒ

شیعہ حضرات، اصحابِ ثلاثہؓ پر تہمت لگاتے ہیں کہ ان حضرات نے حضرت فاطمہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے محروم رکھا، شیعہ، سنی نزاع میں یہ سب سے اہم مبحث ہے۔

اس واقعہ کی تفصیلات فدک اور خیبر کے ساتھ مدینہ منورہ کی اراضی کی شرعی حیثیت اور وضاحت جس سے اصحاب ثلاثہ پر معترضین کی غلطیاں رفع ہو سکتی ہیں، واقعہ کی شرعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ سب امام زہریؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت فرمائی ہیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا مطالبہ، پھر صحابہ کی مجلس میں حضرت عمرؓ کی شروط تفویض اور سپرداری، پھر دونوں بزرگوں کی باہمی رنجش، زمین پر دوبارہ حضرت عمرؓ کا تصرف یہ تفصیلات امام زہریؒ ہی نے روایت فرمائی ہیں۔

اگر اخبار کے صفحات کی تنگی کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ان تمام روایات کو ذکر کر دیتا جو صحیح مسلم میں ص۸۹ سے ص۹۰ جلد ثانی میں مرقوم ہیں۔ اور صحیح بخاری میں بھی ایسی دستاویز ہے جس کے بعد قاتلینِ عثمانؓ (بزعم جناب عمادی صاحب) اور اعدار صحابہؓ کے موقف کی کمزوری واضح

ہو جاتی ہے۔

پورے باب میں امام مالکؒ سے صرف دو روایتیں مرقوم ہیں، جن میں

نحن معاشر الانبیاء لا نورث"

کو سنداً ذکر کیا گیا ہے۔ باقی مفصّل روایات ساری کی ساری امام زہریؒ سے منقول ہیں۔ مولانا عمادی غور فرمائیں۔ ان کی اس تک کی کیا حیثیت رہ جائے گی کہ زہری کے سوا حدیث انکی کا کوئی راوی نہیں۔

صحیح مسلم جلد ثانی باب حکم الفئی میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے مطالبہ کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی حدیث امام احمدؒ سے۔

دوسری حدیث قتیبہ بن سعید سے

تیسری حدیث یحییٰ بن یحییٰ سے۔

چوتھی عبد اللہ بن محمود سے۔

پانچویں۔ اسحاق اور محمد بن رافع سے۔

چھٹی۔ یحییٰ بن یحییٰ بواسطہ مالک۔

ساتویں محمد بن رافع سے۔

آٹھویں۔ اسحٰق بن ابراہیم وغیرہ سے

نویں۔ ابن نمیر اور زہیر بن حرب سے۔

دسویں۔ پھر یحییٰ بن یحییٰ سے

گیارھویں پھر یحییٰ بن یحییٰ سے

بارھویں۔ ابن ابی خلف سے۔

دسویں اور گیارہویں حدیث کے سوا، باقی تمام کا مدار زہریؒ پر ہے، تمام اسانید زہریؒ پر جمع ہوتی ہیں۔ اور شیعہ حضرات کے شبہات کا تفصیلی جواب بھی پہلی روایات میں ہے۔ یہاں امام زہریؒ حضرت عثمانؓ کے رفقا کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہاں اس جذباتی فقرہ کا کوئی فائدہ

نہیں ہوتا۔ حقائق کو حقائق ہی کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔

حدیث افک کتب حدیث میں

ذیل کے آئمہ حدیث نے اس حدیث کو بیان فرمایا ہے، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن سعد امام احمد، مسند طیالسی، ابن ہشام، واقدی، امام بخاری نے تقریباً چودہ مقامات پر امام احمدؒ نے مسند عائشہ اور مسند ام رومان وغیرہ پر تذکرہ فرمایا ہے۔

عمادی صاحب کے متعلق معلوم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق ان آئمہ کرام کے نام سے مرعوب نہیں ہوں گے۔ اساطین سنّت کے بالمقابل وہ اپنی ہٹ دھرمی پہ قائم رہیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے اس ضد اور ہٹ دھرمی میں خوبی کیا ہے۔؟

یہ امام فنّ حدیث کے ماہر ہیں۔ ان میں اکثر جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ حدیث کی تنقید اور چھان پھٹک میں وہ فائز ہیں۔ ان کی روایات دلیل اور سند کا مقام رکھتی ہیں۔ اس کے بالمقابل عمادی صاحب اور منکرین حدیث کا پورا خاندان فنّ حدیث سے نابلد اور بے خبر ہے کیا ماہر فن اور علماء کے سامنے ضد کرنا اور نہ ماننا، خوبی ہے؟ صراف سونا کسوٹی پر کستا ہے وہ اس کے رنگ کو پہچانتا ہے، ایک گنوار پورے استقلال سے ڈٹ گیا ہے کہ میں نہ صراف کی مانتا ہوں نہ کسوٹی مجھے منظور ہے، یہ سب غلط ہے صحیح وہ ہے جو میں کہتا ہوں۔ ممکن ہے منکرین حدیث اسے تحقیق کا نام دیں۔ عقل مندوں کی دنیا میں سے حماقت اور گنوارپن سے تعبیر کیا جائے گا۔ ہر فن میں اہلِ فن ہی کی رائے مستند ہو گی۔

اخراج حدیث کے متعلق دو بڑے حوالوں کے لیے کنوز السنۃ للاستاذ فواد عبدالباقی اور خزائن المواریث لعلامہ عبدالغنی افغانی الحنفی ۱۱۴۴ھ ملاحظہ فرمائیں۔

اگر حدیثِ افک کے متعلق کابل یا قندھار کے عجمی کوئی سازش کرتے تو ان ائمہ فن سے یہ سازش کبھی نہ چھپ سکتی۔

انجنیئرز، ڈاکٹر اور طبیب ہی کی رائے اپنے فن میں مستند ہو سکتی ہے، مگر عمادی صاحب فرماتے ہیں کہ محدث، مجتہد، فقہاء مورخین سب متفق ہوں تو عمادی صاحب کو ان پر یقین

نہیں ہوگا، عمادی صاحب اپنی درایت کی لاٹھی سے سب کو ہانک دیں گے۔

درایت کا مفہوم

عمادی صاحب کی درایت اور ان کے قرائن پر غور کرنے سے پہلے مناسب ہے، کہ درایت کا مصطلح مفہوم سمجھ لیا جائے۔ جس درایت کو عمادی صاحب روایات کی تنقید میں استعمال فرماتے ہیں۔ غالباً اس کی ابتداء علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النعمان میں فرمائی۔ وہ فقہائے عراق کی فقہیات کو درایت کا نام دے کر فقہائے محدثین پر انہیں ترجیح دینا چاہتے تھے۔ حالانکہ فقہائے عراق اور ائمہ اصولِ فقہ بھی درایت کے اس معنیٰ سے حدیث پر تنقید کرنا پسند نہیں فرماتے جیسے عمادی صاحب درایت کہتے ہیں۔ یعنی سالہا سال کے بعد پیدا شدہ ماحول کو عقل کا نام دے کر صدیوں پہلے کے واقعات کی تحقیق شروع کر دی جائے جب کہ ماحول اس سے بالکل مختلف تھا۔ عقل کے معیار اور اس کی اقدار ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں ہر ماحول میں عقلیات کا انداز دوسرے ماحول پر بھی منطبق نہیں ہوتا۔ اس لیے جس ماحول میں واقعہ ہو، اسی ماحول کی عقلیات کے پیمانوں میں اسے ناپنا چاہیے۔

مولانا شبلیؒ کا یہ مفہوم ہمارے علمائے احناف میں کل جدید لذیذ کی بنا پر چل نکلا ورنہ اگر روایات میں خرص و تخمین کے ان پیمانوں کو استعمال کیا جائے تو حدیث کیا قرآن بھی نہیں بچ سکتا اور دنیا کے مشاہدات اور نقل کے یقینیات ان تنگ بندیوں اور جعل سازیوں کی نذر ہو جائیں۔

پچھلے دنوں مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نے بھی اس درایت موضوعہ کا "مسلکِ اعتدال" وغیرہ میں بے حد وظیفہ کیا اور اس تحریک کی روشنی میں بہت سے کم علم سادہ لوح حضرات بعض صحیح احادیث کو مشکوک نگاہ سے دیکھنے لگے۔

ہم اہلحدیث ان تنگ بندیوں اور تخمینوں کو روایات اور احادیث صحیحہ کی تنقید میں قطعی کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

درایت کا صحیح مفہوم

اصطلاحاً درایت کا صحیح مفہوم ائمہ سنّت سے اس طرح منقول ہے۔

العلم بدراية الحديث وهو علم باحث عن المعنى المفهوم من الفاظ الحديث وعن المراد منها مبنيا على قواعد العربيه وضوابط الشرعية ومطابقاً لاحوال النبي صلى الله عليه وسلم، ھ

(کشف الظنون کاتب چلپی ص۲۲۳ ایضاً۔ ابجد العلوم ص۲۳۶)

"درایت حدیث اس علم کا نام ہے جو حدیث کے مفہوم پر عربیت اور ضوابط شرعیہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی روشنی میں بحث کرتا ہے"

متقدمین ائمہ بھی درایت کا یہی مفہوم سمجھتے تھے۔ اگر ہر عقل کو درایت کی سند دے کر احادیث پر محاکمہ یا تنقید شروع کر دی جائے تو علوم کا حلیہ بگاڑ دیا جائے گا اور امان اٹھ جائے گی۔ کوئی فن بھی جہلاء کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

عمادی صاحب کا مضمون آپ کے سامنے ہے، اور حضرات اہل قرآن کی تمام مساعی جو قرآن وسنت کی تخریب میں وہ فرما رہے ہیں۔ جہل مرکب کی زندہ مثال ہے۔

وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کی رہنمائی فرمائے۔ ان حضرات کی نظر میں درایت کا یہ مفہوم ہے کہ:۔

ہر آدمی جسے تھوڑا بہت علم ہو، اردو تراجم پڑھ سکتا ہو، عربی کے مبادی سے واقف ہو۔ وہ قرآن وسنت پر طبع آزمائی شروع کر دے اور اپنی ربوبیت کے نظام کی منادی شروع کر دے۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی سے پرویز صاحب تک اس سینہ زوری اور فن سے بے خبری میں سب برابر ہیں۔ ما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا۔

دس "درایتی" شبہات

عمادی صاحب کو "حدیثِ افک" "بلحاظ درایت" کی "تحقیق" میں خود بھی اپنی کمزوری کا احساس تھا، ان کا سارا مدار مصنوعی درایت پر تھا، لیکن عمادی صاحب کا شاہکار بھی تارِ عنکبوت سے کچھ زیادہ ہی کمزور معلوم ہوتا ہے۔

پہلا شبہ:۔ افک، حضرت عائشہؓ کی زندگی کا اہم واقعہ تھا، ان کو لڑائی کا نام کیسے یاد نہ رہا۔ انہوں نے "فی غزوۃ غزاھا" اپنے چاروں شاگردوں سے واقعہ بیان کیا، یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا عمادی صاحب اس حدیث کو "موضوع" کہتے ہیں۔

ازالہ:۔ یہ آپ کو کس نے کہا کہ حضرت عائشہؓ غزوہ کا نام بھول گئی تھیں، کیا عدمِ ذکر عدمِ شے یا نسیان کو مستلزم ہے، حضرت عائشہؓ نے مختلف اوقات میں اپنے چار یا پانچ تلامذہ سے اس واقعہ کے بعض حصص حسبِ ضرورت یا حسبِ سوال ذکر فرمائے، جنہیں امام زہریؒ نے اپنے تلامذہ کی سہولت کے لیے یک جا مرتب فرما دیا، غزوہ کا نام یا مقام کی ضرورت نہ تلامذہ کو محسوس ہوئی نہ حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر فرمایا۔ بھول کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ غزوہ کے نام کا تذکرہ نہیں ہے، واقعہ کی کسی کڑی کے ذکر نہ کرنے سے پوری حدیث جھوٹی یا موضوع قرار پائے، عجیب درایت ہے، قوتِ فکر کے فقدان کی مثال اس سے بہتر شاید ہی ملے۔

آپ نے تیمم کی حدیث میں جسے آپ صحیح سمجھتے ہیں۔ خود تسلیم کیا ہے کہ:۔

"اس حدیث میں سفر کی تعیین نہیں ہے اس لیے کہ حالاتِ سفر بیان کرنا مقصود نہیں"

(طلوع اسلام صفحہ ۵۵)

ٹھیک اسی طرح یہاں غزوہ کی تعیین مقصود نہ تھی۔

یہ عجیب منطق ہے۔ حدیث تیمم میں سفر کا تعین نہ ہو تو عمادی صاحب کے نزدیک صحیح مگر "حدیثِ افک" میں غزوہ کا نام نہ آئے تو درایۃً موضوع ع درچہ خوش،

پھر آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ غزوہ کا تعین نہیں ہوا؟

پھر واقعات کا تعین دو طرح ہوتا ہے۔
- کبھی مقام اور وقت کے تعین سے۔
- کبھی واقعات کے ذکر سے۔

جیسے عام الفیل، عام الرمادہ، قحط کا سال بڑی طاعون وغیرہ۔ جب تک سنہ ہجری مقرر نہیں کیا گیا۔ واقعات ہی سے اوقات کا تعین ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی غزوہ کے تعین میں منافقین کی نزاع اور سورہ منافقون کا تذکرہ کیا اور تیمم کی فرضیت میں ہار کے گم ہونے کا ذکر فرمایا۔

بدوی قوموں میں اوقات کا تعین واقعات اور حوادث کی بنا پر ہوتا ہے غرض حدیث افک میں وقت اور غزوہ کا تعین بھی موجود ہے۔

اہم واقعات کا بھولنا

یہ بھی غلط ہے کہ اہم واقعات بھول نہیں سکتے، نسیان ایک قسم کا نقص اور بیماری ہے۔ بیماری کے لیے کوئی قانون نہیں، ہر چیز کا بھولنا ممکن ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنبی کے تیمم کا واقعہ بھول گئے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے یاد دلانے پر بھی ذہن میں نہ آیا۔ حالانکہ تیمم کے لیے تمرغ ایک اچنبا واقعہ تھا۔

متعۃ الحج کی اجازت تمام صحابہ کے لیے ایک حادثہ تھا۔ اشہر الحج میں عمرہ ان پر سخت تشویش تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے بھول گئے اور متعۃ الحج زمانہ خلافت میں روکا۔

فاطمہ بنت قیس نے مطلقہ ثلاثہ کے متعلق اپنا ذاتی واقعہ بتایا کہ سکنٰی اور نفقہ نہیں ملنا چاہیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لا ندری انسیت ام حفظت"

اس قسم کے بیسیوں اہم واقعات ہماری زندگی میں آتے ہیں جو ذہن سے اتر جاتے ہیں۔ اقرباء اور اعزہ کی موت، پیدائش، نکاح ایسے اہم واقعات ذہن سے اُتر جاتے ہیں یہ روزمرّہ کا تجربہ ہے۔

کسی واقعہ کی صحت کے لیے اس کی تاریخ، مقام، وقت کا تذکرہ کوئی شرط نہیں۔

یہ آپ کی خود ساختہ درایت ہے، تجربہ کی کسوٹی پر صحیح نہیں اتر سکتی۔

قرآنِ عزیز نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

ما کان للنبیّ ان یغل ومن یغلل یات بما غل یوم القیمۃ

"نبی چوری نہیں کرتا جو چوری کریگا وہ قیامت کے دن چوری سمیت آئے گا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تہمت لگی، نہ لڑائی کا ذکر، نہ تاریخ کا بیان، یہ کیسے ممکن ہو گیا، نہ شخص کا ذکر جس نے تہمت لگائی۔

عمادی صاحب! یہ عجمی، قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر گئے، سازش کامیاب ہو گئی، اتنے اہم واقعہ کی تاریخ تک نہیں بتائی، کہیں یہ آیت بھی موضوع تو نہیں۔؟

معلوم ہے قراء سبعہ میں سے پانچ عجمی ہیں، آپ کے اس قانون سے قرآن عجمیوں کی نذر ہو رہا ہے۔ آپ کے پہلے قاعدہ میں ایک بھی عقل و درایت کی بات نہیں جس پر کوئی غور کی زحمت کرے۔

رہی آپ کی توجیہ کہ منافقین نے اس وقت غزوے کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا اسے دوسرے وقت پر ڈال دیا۔ وہ آپ کے بھائی ہیں اور ہم مذہب۔ غالباً آپ کے مشورہ سے ایسا کیا ہوگا۔ اور آپ کو بتا دیا۔

دُوسرا شُبہ

تمنا صاحب نے دوسرا شبہ پیدا کیا ہے کہ خالی محمل اونٹ پر کیسے رکھا گیا! ساربانوں کو یہ محسوس ہونا چاہیئے تھا کہ محمل خالی ہے۔ چونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے ساربان محسوس نہیں کر سکے لہٰذا حدیث موضوع ہے (مختصراً)

ازالہ

یہاں تمنا صاحب نے بے خبروں کی طرح بے ضرورت اجتماعات کا سلسلہ قائم کر دیا ہے۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ نے اس سوال کا جواب دے دیا ہے کہ عورتیں اس وقت ہلکی پھلکی تھیں، جو سفر کی مشغولیت اور کوائف کو سمجھتا ہے اور مسافر کی نفسیات کو جانتا ہے۔ اسے حدیث کے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوگی۔ جس شخص نے حج کا سفر

اونٹوں پر کیا ہے، شغدف پر سوار ہوا ہے۔ قافلہ کی روانگی کے وقت مسافروں اور ساربانوں کے شور و شغب کو دیکھا ہے۔ اسے حدیث کے سمجھنے میں ذرا بھی دقت محسوس نہیں ہوگی۔

آج بھی بوریاں گم ہوتی، بستر ضائع ہوتے اور بھاری سامان تلف ہوتے دیکھا ہے ہمیں تو حضرت عائشہ رضؓ کے اس واقعہ میں ذرا بھی تعجب محسوس نہیں ہوگا۔

آج جب بسیں، موٹریں چل رہی ہیں، چیزیں گرتی بھولتی رہتی ہیں۔ گنی ہوئی سواریاں بس سے بچھڑ جاتی ہیں۔ کراچی اور جدہ کی بندرگاہوں پر منوں بھولا بسرا ہوا مال ملتا ہے۔

معلوم نہیں عمادی صاحب کس دنیا میں بستے ہیں؟ پندرہ بیس سیر بوجھ کا بھولنا ان کی سمجھ میں نہیں آرہا۔ رات بھر اترنا اپنے سامان کے پاس سونا، رفقاء کے ساتھ کھانا کھانا، ایک حقیقت ہے اور یہ بھی حقیقت اور روزمرّہ کے معمولات سے ہے۔ قضاء حاجت، نماز، وضو کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اجازت کی ضرورت تھی نہ اس میں کوئی تشویش ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج اس قدر ہلکا تھا۔ کہ اٹھتے بیٹھتے رات چلتے محمل میں آوازیں دیتے رہیں کہ ہوشیار رہنا!

جو لوگ سفر کے عادی ہیں وہ ان کوائف کو سمجھتے ہیں۔ اس میں کوئی بھی مشکل بات نہ تھی۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمادی صاحب کو یا تو ازدواجی زندگی سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔ یا پھر یہ تعلق کسی شریف خاندان میں نہیں ہوا۔ با ہمہ بے اعتمادی کی وجہ سے عورتیں آنے جاتے اجازت چاہتی ہوں گی۔ مولانا! میں بیت الخلاء جا رہی ہوں۔ گھبرائیے گا نہیں۔ واپسی پر بھی اطلاع دیتی ہوں گی، لوٹ فرمالیجیے گا میں آگئی۔ شریف گھرانوں میں یومیہ معمولات کا نہ احتساب ہوتا ہے نہ اذن اور اطلاعات کی ضرورت۔

قرینہ ۲ کی شقوں پر غور کرتے وقت مجھے ہنسی بھی آئی اور ندامت بھی ہوئی اس لیے محسوس ہوا عمادی صاحب اس معاملہ میں معذور ہیں۔

بھول انسانی فطرت ہے

بھول کے لیے کوئی قاعدہ نہیں۔ انسان منوں بوجھ بھول سکتا ہے، حدیث

پر تو آپ کو یقین نہیں، قرآن پر غور کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے شاگرد کے ساتھ ایک نیک دل آدمی کی ملاقات کے لیے جا رہے تھے۔ نشان کے طور پر ایک مچھلی ہمراہ لے جا رہے تھے۔ آپ حضرات تو اسے مردہ نہیں سمجھتے ہوں گے۔ اس لیے لازماً بر تن، پانی مچھلی کا بوجھ پندرہ بیس سیر سے کم نہیں ہوگا۔

قرآن فرماتا ہے۔

اَرَاَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَۃِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِیْہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْکُرَہٗ وَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا ہ

"حضرت! ہم جب پتھر کے پاس ٹھہرے۔ میں شیطانی وسوسہ سے مچھلی بھول گیا اور وہ عجیب انداز سے پانی میں کود گئی۔"

جس قدر احتمال آپ نے محمل اور حضرت عائشہؓ کی بھول کے پیدا کیے ہیں۔ وہ سب یہاں ذہن میں لے آئیے اور پھر غور کیجیے کہ عجمی قرآن پر بھی ہاتھ صاف نہیں کر گئے۔ حدیث اور قرآن دونوں ہی سازش کا تختہ مشق تو نہیں بنے۔

ائمہ تاریخ کا خیال ہے کہ قراء سبعہ سے عرب صرف دو ہی تھے۔ ولیس فی ھولاء السبعۃ من العرب الا ابن عامر وابو عمرو۔ اھ۔

(الجواھر المضیہ ج ۲ ص۴۲۳)

عمادی صاحب کی ۲ کی تحقیق انتہائی مضحکہ خیز ہیں۔ ادارہ "طلوعِ اسلام" میں شاید کوئی سنجیدہ اور سمجھ دار نہیں جو ایسے مضامین کی اصلاح کرے۔

پھر عمادی صاحب کا اسے خلافِ دستور کہنا بھی غلط ہے، دستور دونوں طرح ہے۔ پردہ کے پابند گھرانوں میں اب بھی دستور ہے، مستورات شادیوں اور عام تقریب کے وقت ڈولیوں میں بیٹھ جاتی ہیں، پھر کہار ڈولی اٹھا لیتے ہیں۔ یہی دستور محمل میں بھی ممکن ہے۔

قرینہ ۳ میں تمام رات محمل میں گذارنے وغیرہ احتمالات بالکل دیوانہ پن ہے

حدیث میں صراحت* موجود ہے۔

فقمت حین اذن بالرحیل.

"میں اس وقت قضائے حاجت کے لیے گئی۔ جب آپ نے کوچ کا اعلان فرما دیا۔"

رہا صحابیات کا ساتھ جانا جہاد کے سفروں میں جہاں کبھی بے پردہ ہونا پڑے کبھی کندھے پر مشکیزہ اٹھا کر زخمیوں کو پانی پلانا پڑے، مریضوں کی دیکھ بھال کرنا پڑے یہ وضع داری محض تکلف ہے۔ خصوصاً جبکہ جنگل میں لشکر سے زیادہ دور جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تمنا صاحب کا قرینہ ع۲ بالکل ہوائی انداز کا ہے اور جذباتی، عملی زندگی میں اس کی وقعت نہیں، یہ کوئی تقریب نہیں کہ سہیلیاں جمع ہو کر جائیں ایسے سفروں میں ہر آدمی اپنی ضروریات کا خود کفیل ہوتا ہے۔

چہارم قرینہ ع۲ تغیر الفاظ کے ساتھ ع۲ کا اعادہ ہے اس کا جواب قرینہ ع۱ کے جواب میں عرض کر آیا ہوں کہ شریف گھرانوں میں اتنی بے اعتمادی نہیں ہوتی، کہ روزانہ کے معمولات میں آمد و رفت کی اجازت اور اطلاع دی جائے۔ اگر اجازت کا یہ غیر معمولی التزام ہوتا تو شاید روایت مشتبہ ہوتی۔ حضرت عائشہ رضؓ کے الفاظ۔

فقمت حین اذن بالرحیل فمشیت حتی اجاوزت الجیش فلما قضیت شانی اقبلت الی رحلی فلمست صدری فاذا عقدلی من جزع اظفار قد انقطع فرجعت فالتمست عقدی فحبسنی ابتغاؤہ۔ اھ

"کوچ کا اعلان ہوتے ہی قضاء حاجت کے لیے لشکر سے باہر چلی گئی، فراغت کے بعد میں اپنے ڈیرے کے پاس آگئی، میں نے گلا ٹٹولا تو ہار نہیں تھا، میں اسی وقت واپس آگئی اور اس کی تلاش ہی نے مجھے وہاں بار ہر روک رکھا۔"

بالکل فطری اور طبعی انداز ہے، جانے کی اجازت، سفر کی نفسیات کے خلاف ہے

مدینہ واپسی پر ام مسطح کے ساتھ جانا وہ بھی اتفاق ہے۔ نہ حضرت عائشہ رضؓ نے اسے بلایا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ساتھ بھیجا، گو بیماری کی وجہ سے ایسا ہونا اتفاقاً ہو گیا۔

پنجم قرینہ ۵ سے معلوم ہوتا ہے۔ مضمون نگار پر دورے کی کیفیت طاری ہے جب حدیث میں موجود ہے۔

اتینا الجیش بعد ما نزلوا موغرین فی نحر الظھیرۃ۔

"ہم ظہر کے وقت لشکر میں پہنچے"

پھر فرمایا۔

اذن لیلۃ بالرحیل

رات کو کوچ ہوا، دوپہر کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لشکر میں پہنچ گئیں مغرب کے وقت تلاش عشاء کی نماز رات خیمہ میں آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ جو اس کی خرابی کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ کوچ آخر شب، نزول دوپہر، احتمالات سب بے کار اور بے محل ہیں۔

ششم حدیث افک میں رواۃ نے غزوہ کا ذکر کیا ہے آپ اپنے معتوب امام المغازی محمد بن اسحاق کا طریق ملاحظہ فرمائیں۔

فلما کان غزوۃ بنی المصطلق اقرع بین نسائه کما کان یصنع فخرج سھمی اھ۔

(روض الانف ج ۲ ص ۲۲۰)

"غزوہ بنی المصطلق میں قرعہ ڈالا گیا تو میرا نام نکل آیا"

عمادی صاحب کی عقل پر رحم آتا ہے۔ اپنی کم علمی کا جرم بے چارے حدیث کے سر تھوپ رہے ہیں۔ رات کے وقت کوچ کا وقت بھی اسی اسحاق کی روایت میں مرقوم ہے

حتی اذا کان قریبا من المدینۃ نزل منزلا فبات

بہ بعض اللیل ثم اذن فی الناس بالرحیل (ایضاً صنہ ج۲)

"مدینہ منورہ کے قریب آپؐ نے پڑاؤ کیا، رات کا کچھ حصہ آرام فرمانے کے بعد آپؐ نے کوچ کا اعلان فرمایا۔"

ظاہر ہے کہ پڑاؤ کرنے کے بعد قافلہ سو جائے تو وہ کوچ آخر شب ہی کو کر سکتا ہے اور اس سفر میں منافقین کی شرارت کے سبب ایک موقع پر پورے چوبیس گھنٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کی اجازت نہیں دی۔ ایسے حالات میں نیند اور سفر کی کوفت کا تقاضا ہے کہ ساتھی آرام کریں۔

عمادی صاحب فرماتے ہیں۔

"راوی بڑا چالاک ہے، اس نے یہ نہیں بتایا کہ چاندنی رات تھی یا اندھیری رات تھی۔"

عمادی صاحب! اگر عقل کو چور نہیں لے گئے تو اتنا سوچیے کہ یہ بھی کوئی وضع کی دلیل ہو سکتی ہے؟ تیمم کے متعلق آپ نے جس حدیث کو صحیح مانا ہے رات کی کیفیت اس میں بھی مرقوم نہیں، صرف ہار مل جانے کا وقت مرقوم ہے آپ عقل کا علاج کرائیے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں! مجھے ہار مل گیا۔ سو اب اس حماقت نوازی سے کیا فائدہ؟ کہ دانے بکھرے یا نہیں؟ ہار کہاں سے ٹوٹا؟ ہاتھ تو آلودہ نہیں ہوا۔ اس یاوہ گوئی کا نام آپ کے ہاں درایت ہے۔

حضرت عائشہؓ کا ہار دو دفعہ گم ہوا ہے۔ ایک دفعہ بنی المصطلق میں، دوسرا واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں ہوا۔

سید صاحب کا خیال ہے، دوسرا واقعہ بھی اسی سفر میں ہوا ..... اگر یہ خیال درست ہو تو ظاہر ہے کہ ہار کی لڑیاں کمزور تھیں۔ سید صاحب کی سی وقتِ نظر، آپ کو کہاں نصیب۔ رہے آپ کے شبہات، وہ تارِ عنکبوت ہیں۔ حضرت عائشہؓ غیب دان نہیں تھیں جو معلوم ہوتا کہ ہار ٹوٹ جائے گا تو ہار گوندنے کا سامان لے کر چلتیں اور یہ

بھی معلوم نہ تھا کہ ایسے عقل فروش اصحاب سے سابقہ پڑے گا۔

طحاوی کی ایک روایت سے خیال ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا ہی سفر تھا۔

قالت اقبلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ
حتّٰی اذا کنا بالمعرض قریبًا من المدینۃ نعست من اللیل
وکانت علی قلادۃ تدعی اسمط تبلغ السرۃ فجعلت انعس
فخرجت من عنقی فلمّا نزلت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الصلوۃ الصبح قلت یا رسول اللہ خرت قلادتی من عنقی
فقال ایھا الناس ان امکم قد ضلت قلادتھا فابتغوھا

(معانی الآثار ص۲۶ ج ۱)

"ہم کسی غزوہ سے واپسی پر مدینہ کے قریب نماز صبح کے لیے اترے رات کو اونگھنے میں میرا ہار جو ناف تک لمبا تھا میرے گلے سے نکل گیا۔ میں نے حضور سے عرض کیا کہ میرا ہار گم ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، تمہاری ماں کا ہار گم ہو گیا ہے۔ تلاش کرو۔ چنانچہ ہار مل گیا۔"

اس حدیث میں نہ زہری ہیں نہ ابن اسحاق۔ البتہ ابن لہیعہ ہیں۔ بقول عمادی صاحب یہ بھی بڑے چالاک نکلے، نہ غزوہ کا نام لیا ہے نہ رات کے متعلق بتایا کہ رات چاندنی تھی یا اندھیری رات۔ نہ یہ بتایا ہے کہ لڑائی ہیں کتنے آدمی شریک تھے۔ نہ یہ بتایا کہ تلاش کے لیے کون کون گیا۔ نہ یہ بتایا کہ پھر کس کو ملا اور کتنی جستجو کے بعد ملا۔ اور اس چالاک راوی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ صبح کتنے بجے ملا۔ اور راوی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ لڑائی میں اتنے لمبے ہار کی کیا صفات تھیں۔ اور پھر گلے سے نکل کیسے گیا؟ اور راوی نے یہ بھی چالاکی کی ہے۔ کہ پتہ نہیں دیا کہ ہار سونے کا تھا یا چاندی کا یا جزع کا۔ اور چالاکی ملاحظہ ہو کہ یہاں ذات الجیش کی بجائے مُعَرَّس کہہ دیا ہے۔

عمادی صاحب قبلہ! آپ بھی معذور ہیں اپنی عقل درست نہ ہو تو ساری دنیا چالاک بن جاتی ہے ورنہ رُدات بے چارے متدین تھے ان کو کیا معلوم تھا کہ ایسے عقل مند

آیندہ درایت کی آڑ میں اس طرح حملہ آور ہوں گے آپ کی مسکنت تو آپ کی اس درایت سے ظاہر ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

"حضرت عائشہؓ جہاد میں رہیں ان کو ہار کی کیا ضرورت تھی اور پھر عاریت لینا تو عزت نفس کے خلاف تھا"

جس دوسری حدیث کو آپ نے صحیح مانا ہے جو بواسطہ امام مالکؒ تیمم کے متعلق مروی ہے۔ اس غزوہ میں بھی ہار موجود تھا، بعض اشارہ سے مراد "غزوات" ہونا چاہیئے۔ طحاوی کی روایت بواسطہ ابن لہیعہ میں "غزواتہ" کی تصریح ہے۔

پھر یہ ہار بھی مستعار تھا۔ جب عاریت کا ذکر زہری کی روایت میں آجائے۔ تو روایت درایتہً موضوع جب عاریت کا ذکر ہشام کی روایت میں آئے تو روایت درایتہً صحیح۔ اشخاص سے دشمنی ہے یا کسی اصول کا تتبع۔؟

حدثنا زکریا بن یحیی قال حدثنا عبد الله بن نمیر قال حدثنا هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة انها استعارت قلادة فهلکت فبعث رسول الله صلی الله علیه وسلم فی طلبها

(الخ صـ ۲۱۹ ج ۱ پ ۲)

"میں نے ہار عاریتاً لیا تھا جو اس سفر میں گم ہوگیا"

وضع کے یہ دونوں قرائن حدیث تیمم میں موجود ہیں۔ یہ امام مالک اور ہشام بن عروہ سے مروی ہیں۔ جسے آپ نے صحیح مانا ہے (طلوع صـ ۵۰)

عمادی صاحب! ائمہ حدیث کے خلاف لکھنا آسان نہیں۔ یہ طلوعِ اسلام کا دفتر نہیں جہاں پر جہالت اور حماقت کا عنوان "مخصوص انداز" ہے۔ آپ کے ان قرائن کو قبول کر لیا جائے۔ تو نہ قرآن عجمی سازش سے بچتا ہے نہ حدیث۔ اس درایت کو حماقت کے مترادف سمجھنا چاہیئے!

ہفتم

اس قرینہ کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت ؐ نے عائشہ رضؓ کو اثنائے سفر میں بالکل نظر انداز کر دیا۔ نماز وغیرہ کے اوقات میں بھی حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق دریافت نہیں فرمایا۔
عمادی صاحب کا یہ پیرا محض تصنع اور لفاظی ہے۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس کا جواب ۴۔ ۵ میں عرض ہو چکا ہے۔

عمادی صاحب نے جو حدیث صحیح بخاری سے خود نقل فرمائی ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خود رات کو پڑاؤ کے بعد رات کے آخری حصّہ میں آپ نے کوچ فرمایا حضرت عائشہ رضؓ اپنے ہار کی وجہ سے بچھڑ گئیں۔ صبح کی نماز راستہ میں آئی۔ آغاز دوپہر ہی میں حضرت عائشہ پہنچ گئیں۔ ابن اسحاق کے الفاظ اس طرح ہیں۔

فانطلق سریعا یطلب الناس فوا للہ ما ادرکنا الناس وما افتقدت حتی اصبحت ونزل الناس فلما اطمئنوا طلع الرجل یقود بی اھ (روض الانف مع ابن ھشام صفحہ ۲۲۲ ج ۲)

"صفوان بن معطل قافلہ کی تلاش میں بہت تیز چلا صبح تک نہ ہم قافلہ میں پہنچے نہ میرے فقدان کا کسی کو احساس ہوا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی لوگ اتر کر مطمئن ہوئے ہی تھے کہ صفوان مجھے لے کر پہنچ گیا۔"

ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ قضائے حاجت سے واپس آئیں تو ہار کے فقدان کا احساس ہوا۔ اسی وقت واپس گئیں، قافلہ حسب دستور چلا گیا۔ صرف نماز فجر راستہ میں آئی۔ پڑاؤ کے بغیر اگر قافلہ راستہ میں ٹھہرے تو پورا سامان نہیں اتارا جاتا۔ اونٹ لدے کھڑے رہتے ہیں سواریاں اتر کر نماز پڑھتی ہیں۔ ایسے وقت میں حسب گنجائش عورتیں نماز مردوں کے ساتھ پڑھیں یا الگ جماعت ہو یا اپنی اپنی نماز ادا کریں۔ بہرحال قافلہ کی گنتی نہیں ہوتی نہ ہی ایسے سفر میں سب کا دستور ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد لازماً ہر ایک کو خود اپنے اونٹ کی طرف جانا چاہیئے۔ اس لیے اگر حضرت عائشہ رضؓ کی طرف غلس میں توجہ نہ ہو تو بالکل ممکن ہے۔ ہر وقت محمل کے ساتھ مرد چمٹے رہیں یہ کوئی معقول طریق نہیں، قافلہ

اترنے کے بعد جب سامان سنبھالا گیا تو حضرت عائشہؓ کی گمشدگی کا پتہ چلا، معًا صفوان بن معطل پہنچ گئے۔ منافقین کو بات ہاتھ آئی، انہوں نے شور مچا دیا۔ اس میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض ہے نہ صفوانؓ پر۔ منافقین کو اعتراض ہو سکتا تھا سو ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستور کے مطابق شریفانہ طور پر اپنی ذمہ داری کو پورا فرمایا۔

اللّٰھُمَّ صلّ وسلّم علیه وآله وازواجه اجمعین۔

ہشتم

عمادی صاحب نے قصۂ افک کے وضع کا آٹھواں قرینہ یہ بیان فرمایا ہے کہ رُوات نے پورے سفر میں نماز اور اس کے اوقات کا ذکر نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے، کہ (معاذ اللہ) حدیث کا واضع بے نمازی تھا۔ اس لیے اس نے اس قصہ کے تذکرہ میں نماز اور اس کے اوقات کو نظر انداز کر دیا۔ لہٰذا یہ پورا قصہ وضعی ہے۔ محدثین کو سادگی کی وجہ سے اس درایت غامضہ کا علم نہ ہو سکا اور عمادی صاحب نے نہایت دانشمندی سے اس کا کھوج لگا لیا۔

ہماری نظر میں عمادی صاحب بھی کافی سادہ لوح معلوم ہوتے ہیں۔ درایت کے شوق میں لبا اوقات علم اور عقل دونوں سے دست کش ہو جاتے ہیں اور ایسی بہکی بہکی باتیں کر جاتے ہیں۔ جنہیں سن کر شرم سی محسوس ہوتی ہے۔

اوّلًا اس قصہ میں بے شک نمازوں کے اوقات کا بالاستیعاب ذکر نہیں، نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ ضرورت کے لحاظ سے حدیث کے بعض طرق میں نماز صبح اور تیمم کا تذکرہ موجود ہے۔ جب مقصد اور موضوع کلام ہو ہو تو خواہ مخواہ نمازوں کا تذکرہ خلاف دانش ہوتا۔ اور اگر یہ تذکرہ آ جاتا تو شاید عمادی صاحب اس تفصیل اور تذکرہ ہی کو وضع کا قرینہ قرار دے لیتے۔

ثانیًا قرآن مجید میں انبیاء اور صلحاء کے کئی اسفار کا ذکر موجود ہے۔ لیکن نماز کا نام تک نہیں لیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا سفر مدین کی طرف سفر کی انتہا پر مدین کے ایک نیک آدمی سے ملاقات ہے۔ اس کی لڑکیوں نے حضرت موسیٰؑ کے متعلق ان الفاظ

میں سفارش فرمائی۔ یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْہُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ۔ "اباجان! اسے کام کاج کے لیے گھر میں بطورِ مزدور رکھ لیجیے۔ یہ قوت اور امانت کے لحاظ سے بہترین آدمی ہے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے یہاں بطور اجیر دس سال قیام فرمایا۔ پھر مع اہل وعیال سسرال سے واپس ہوئے، راستہ میں اہلیہ نے سردی محسوس فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی اور فرمایا۔ فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِقَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ "بیوی کو فرمایا، تم یہاں ٹھہرو میں آگ لاتا ہوں تاکہ تم اس سے تاپ سکو۔"

وادی مقدس سے نبوت ملنے کے بعد مصر پہنچے، پورے سفر میں نماز کا کوئی ذکر نہیں معلوم ہوتا ہے عجمی سازشی نے قرآن عزیز پر بھی ہاتھ صاف کر لیا۔ عمادی صاحب کی درایت کا تقاضا تو یہی ہے، یا پھر موسیٰ علیہ السلام بزعم عمادی صاحب بے نماز ہوں گے۔

عمادی صاحب بے خبر ہوں گے، منکرین حدیث کا ایک گروہ موجودہ نماز کو بھی عجمی سازش کی پیداوار سمجھتا ہے۔ اس قوم کی درایت کا خدا حافظ۔ ایک نماز کو عجمی پیداوار سمجھتا ہے اور دوسرا احادیث کو اس لیے موضوع کہتا ہے کہ اس میں نماز کا ذکر نہیں۔ مَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ۔

سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ایک شاگرد کی ایک علمی مہم کا ذکر ہے، جو مجمع البحرین تک کئی دن جاری رہی، پھر اس نیک آدمی کی معیت میں مظاہرِ قدرت دیکھنے کے لیے معلوم نہیں کتنی مدت سفر کیا۔ پھر یہ سفر معلم اور متعلم کی طبائع کے اختلاف کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ لیکن پورے سفر میں نماز کا ذکر نہیں، حالانکہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی نبی تھے اور ان کا میزبان بھی نبی معلوم ہوتا ہے۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (کہف)

"ان کی ملاقات ہمارے ایسے بندے سے ہوئی جسے ہم نے اپنی رحمت اور علم سے نوازا تھا۔"

لیکن سفر کی پوری سرگذشت میں نماز کا کوئی تذکرہ نہیں۔ کیا فرماتے ہیں حضرات مدعیان درایت! یہاں بھی یہ عجمی قرّا، قرآن تو اپنا کام نہیں کر گئے!

اس کے ساتھ ہی ذوالقرنین کے سفر کا تذکرہ ہے جو فتوحات کے سلسلہ میں مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال اور حدودِ چین تک فرمایا قرآن نے اس کی ضروری تفصیلات اور اس وقت کے بین الاقوامی حالات کا تذکرہ کیا ہے اور ذوالقرنین کی دینی، قومی اور ملی خدمت کا مفصل جائزہ لیا ہے۔

عمادی صاحب فرمائیں، ذوالقرنین بے نمازی تھا، یا قرآن بھی فارسی سازش کا شکار ہو گیا۔

قرآن عزیز نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سفر کا ذکر فرمایا۔ جو وطن مالوف سے شروع ہوا اور براستہ مصر فلسطین پر منتہی ہوا۔ اس میں حضرت لوط علیہ السلام بھی شریک سفر تھے۔ ایک عظیم ابتلاء کے بعد ہجرت کا سفر پیش آیا لیکن کہیں نماز کا ذکر نہیں ملتا، حضرات مدعیان درایت ارشاد فرمائیں یہ وضع کا قرینہ قرآن میں کہاں سے آگیا۔

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا سفر مذکور ہے قرآن عزیز نے یوسف علیہ السلام کے علم وفہم زہد و تقویٰ کا تفصیل تذکرہ، قید، براءۃ، جیل کے وعظ، پھر تمکن فی الارض عفت اور قحط میں سات سال تک راشن کی تقسیم فرمائی اور عزیز مصر کے عہدہ تک پہنچے۔ مگر نماز کا تذکرہ نہیں عمادی درایت کا تقاضا تو یہی ہے کہ سورۂ یوسف کو وضع تخلیق سے متاثر سمجھ لیا جائے۔

قرآن عزیز میں انبیاء اور صلحاء کے سفروں کا تذکرہ چونکہ مقصود نہ تھا۔ اس لیے واقعہ ذکر ہوا، نماز کا ذکر نہیں، عمادی صاحب یا تو قرآن کو موضوع اور مختلق سمجھیں یا پھر اپنی اس درایت کو کسی پرانے قبرستان میں دفن فرما دیں۔

اور ہاں عمادی صاحب! امام مالکؒ اور ہشام بن عروہؒ کی روایت میں بھی صرف صبح کی نماز کا ذکر ہے۔ باقی سارے سفر میں نماز کا ذکر نہیں لیکن اس کو آپ نے صحیح تسلیم کیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ تاریخی حوادث میں غیر متعلق واقعات

کا تفصیلی تذکرہ کوئی عقل مند نہیں کر سکتا۔

نہم

عمادی صاحب فرماتے ہیں اس تنہائی میں حضرت عائشہ رضؓ کو رونا چاہیئے تھا غش کھا کر گرنا چاہیئے تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ کو نیند کیسے آگئی؟ حدیث میں چونکہ ان واقعات کا ذکر نہیں بلکہ نیند کا ذکر ہے۔ اس لیے حدیث موضوع ہے۔

عقل کے دشمنوں سے کیا عرض کیا جائے۔ ایسے مواقع میں رونا اور گھبرانا انتہائی حماقت ہے۔ جذبات پر کنٹرول سب سے بڑی خوبی ہے، امّ المومنین رضؓ نے صبر ہاتھ سے نہیں جانے دیا، اور اسی ماحول میں رک گئیں اور یہ خیال درست تھا۔ گم شدگی کے احساس میں یقیناً تلاش کے لیے صحابہؓ وہاں آئیں گے۔ پھر مدینہ کے قریب ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ گھبراہٹ بھی نہ تھی۔ یہ دارالحرب نہ تھا جہاں آبرو خطرہ میں ہوتی۔ یقیناً اس ماحول کے لوگ مسلمان تھے، یا اسلام سے مانوس، صفوان نہ بھی ملتے تو علاقہ کے لوگ حضرت عائشہ رضؓ کو ضرور پہنچاتے اس لیے فی الواقعہ گھبراہٹ کی کوئی بات نہ تھی۔ البتہ تخلف کا طبیعت پر اثر ہوگا۔ پہنچنے کے اسباب کے ظاہری فقدان کا فکر ضرور تھا۔ ایسے وقت اونگھ اور غنودگی بالکل فطری چیز ہے۔

عمادی صاحب! کبھی کبھی قرآن پڑھا کیجیئے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم۔ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ (پ۹، پ۴)

"عین ہنگامۂ کارزار میں اہلِ ایمان پر نیند اور اونگھ مسلط فرمادی گئی"۔

عمادی صاحب! فکر کیجیئے۔ قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر گئے۔ لالہ زار زمین جس پر نعشوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، مومن آرام فرما رہے ہیں۔

فرمایئے! یہ آیت تو موضوع اور مکذوب نہیں؟ آپ کے خیال میں انہیں ماتم کرنا چاہیئے تھا۔

دھم

میں پھر نماز کا ذکر چھیڑا ہے اور پہلے ۹ میں نماز نہ پڑھنے کی خود تردید کی ہے مگر گم شدگی کی صبح کے متعلق فرماتے ہیں۔

"بلکہ فجر کی نماز تک نہیں پڑھی"

خدا جہالت سے بچائے، عدم ذکر سے عدم وجود کہاں ثابت ہوا! یقیناً حضرت عائشہؓ نے نماز پڑھی ہوگی۔ ترک کا احتمال ہی نہیں اور نہ ذکر کی ضرورت تھی۔ ۷، ۸، ۹، ۱۰ میں تکرار محض ہے اور طولِ کلام۔

عمادی صاحب نے اس مضمون میں ائمہ حدیث کو خبیث، منافق، بے دین، بے نماز بہتان تراش، چالاک، وضاع، کذاب، خبیث النفس وغیرہ قسم کی گالیاں دی ہیں، اگر قصاص لیا گیا تو آپ کو تکلیف ہوگی۔ قلم سب کے ہاتھ میں ہے۔

ایک گذارش

عمادی صاحب نے بعض معاملات کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے ائمہ حدیث کو بے ایمان، خبیث، چالاک، خبیث النفس تک کہا ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ کا تنوع ہے۔ محدثین حسب مواقع احادیث مختصر یا مفصل بیان فرما دیتے ہیں۔ اس میں کوئی بددیانتی یا خبیث نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اقتضاء حال کے مطابق تنوع فرماتے ہیں۔ اہلِ فن اسے سمجھتے ہیں۔ جاہل اور ناواقف اس سے ..... بعض اوقات پریشان ہوتا ہے۔

صحیح بخاری مع کرمانی کتاب بدا الخلق حدیث ۲۱۴۳ میں قصۂ افک کو پورے اختصار سے ذکر فرمایا۔ کئی چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ حدثنا محمد بن سلام اخبرنا ابن فضیل حدثنا حصین عن سفیان عن مسروق۔ اس میں نہ زہری ہیں نہ ابن اسحاق، مسروق کے سماع کی بحث کے سوا سند بالکل صحیح ہے اور مسروق کے سماع کا مسئلہ بھی صراحت ام رومان کی صراحت سے حل ہو جاتا ہے۔

آپ اپنی لاعلمی اور بے مائیگی پر بھی کبھی سوچا کیجیے جب آپ اس فن سے بے خبر ہیں

تو آپ کو کس طبیب نے کہا ہے کہ آپ اس میں ضرور دخل دیں۔ پرویز صاحب اس باب میں خوب ہیں۔ وہ فن کی کسی چیز پر گفتگو نہیں فرماتے۔ لیڈرانہ انداز سے بالا بالا گذر جاتے ہیں۔ اور آپ "پر مخصوص انداز" میں طنز کر جاتے ہیں۔

دوسری حدیث

عمادی صاحب نے اس عنوان کے تحت حدیثِ تیمم کا ذکر فرمایا ہے اور شکریہ ہے کہ اسے تسلیم کیا ہے مگر ساتھ ہی فکری اختلال میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ یہ فیصلہ نہیں فرما سکے کہ تیمم کا واقعہ بھی غزوہ بنی المصطلق میں ہوا یا کسی دوسرے موقعہ پر۔ اور یہ فیصلہ ان کے بس کی چیز بھی نہیں ہے۔ بہر کیف چند مسائل میں ان کا ذہن کچھ صاف بھی ہوا ہے۔

زہری کی روایت میں غزوہ کا نام مرقوم نہ ہونے کی وجہ سے عمادی صاحب اسے وضعی قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس حدیث میں غزوہ کا نام مرقوم نہ ہونے کے باوجود اُسے تسلیم فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ امام زہری سے مروی نہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس لیے بھی صحیح ہے کہ اس میں ہار کو حضرت عائشہؓ کی ملکیت ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ کتاب التیمم کی حدیث میں اس طرح مروی ہے۔

حدثنا زکریا بن یحییٰ قال حدثنا عبداللہ بن نمیر قال حدثنا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ انھا استعادت من اسماء قلادۃ فھلکت فبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا فوجدھا فادرکتھم الصلوۃ ولیس معھم ماء الخ (ص ۲۱۹ ج ۱)

"حضرت عائشہؓ نے اپنی بہن اسماءؓ کا ہار مستعار لیا اور وہ اسی جگہ گم ہوا جہاں پانی نہیں تھا۔"

ہار مستعار لینے کے باوجود حدیث تیمم صحیح رہ سکتی ہے تو امید ہے کہ عمادی صاحب امام زہری کو بھی معاف فرمادیں گے۔ ع ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

نیز عمادی صاحب ہشام بن عروہ کی روایت کو بھی تسلیم فرمالیں تو ایک اور مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے، اس کے دو راوی زکریا بن یحییٰ اور عبداللہ بن نمیر کوفی ہیں اور جس حدیث کو عمادی صاحب نے تسلیم فرمایا ہے۔ اس کے پہلے راوی عبداللہ بن یوسف مدنی نہیں ہیں۔ غالباً کوفی ہوں گے یا شامی، اس سے اتنا تو ثابت ہوگا، اگر عمادی صاحب کو معلوم نہ ہو تو، کہ کوفی بھی سچ بول سکتے ہیں اور ان کی حدیث صحیح ہو سکتی ہے۔

نیز فرمایا ہے کہ مستعار ہار کی روایات صحیح سے خارج ہیں، صحاح میں نہیں۔ عمادی صاحب کو یہ تو معلوم ہوگا کہ صحیح بخاری بھی صحاح ہی میں ہے اور بخاری کی روایت ہے۔ عمادی صاحب کے مطالعہ کی وسعت کا یہ عالم ہے، فرماتے ہیں "افک والی مکذوبہ روایت جو صحیح بخاری میں ہے، اس میں تو یہ ذکر نہیں کہ وہ ہار منگنی کا تھا، اپنی بہن حضرت اسماء سے منگنی کا مانگ کر پہن کر آئی تھیں۔ یہ صحاح سے باہر کی روایت میں ہے۔"

حالانکہ یہ روایت صحیح کے کتاب التیمم میں تیسری روایت ہے۔

پہلے بھی اور یہاں بھی عمادی صاحب نے بہت زور دیا ہے کہ مانگنا عزتِ نفس کے منافی ہے۔ ممکن ہے یہ کسی حد تک درست ہو، لیکن غریب معاشروں میں کام ہی عاریت پر چلتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، تو درع گروی تھی اور وہ بھی یہودیوں کے پاس۔ زندگی میں حضرتؐ نے کئی دفعہ قرض لیا اب بڑے بڑے سرمایہ دار بنک کے مقروض ہیں حکومتیں مقروض ہیں، اسے ابغض الحلال کہیئے امکرہ ہے حلال، آپ کے پاس وضع کی مشین موجود ہے، ان احادیث کو موضوع کہہ دیجیئے۔ اہل علم تو سوچے بغیر یہ جرأت نہیں کر سکتے۔

اور حضرت عائشہؓ نے ہار اپنی بہن سے لیا ہے۔ یہاں عزتِ نفس کا سوال حماقت ہے عزیز و اقارب میں یہ سلسلہ کبھی معیوب سمجھا ہی نہیں گیا۔ عمادی صاحب شاید آسام یا افریقہ کے جنگلوں میں رہتے ہوں گے۔

پھر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ہار جہیز میں ملا تھا، یہ کوئی بحث نہیں، ہار متعدد ہو سکتے ہیں ...... ہو سکتا ہے ہار اصلاح کے لیے یا زیتون سے دھونے کے لیے دیا ہو۔ کیونکہ جزع کا ہار زیتون میں صاف کیا جاتا ہے، یہ یہاں بلا ضرورت بحث ہے استغا

والی روایت بخاری کی ہے

اس کے بعد صفوان بن معطل کے متعلق ابو داؤد کی روایت کی تضعیف کے متعلق بے ضرورت بحث چھیڑ دی ہے اگر الصحابہ کلھم عدول بطور اصول اہل سنت درست ہے۔ تو یہ بحث بے سود ہے۔ اگر آپ اس اصول کو قبول نہیں فرماتے اور روافض اور خوارج کی طرح آپ ان پر تنقید درست سمجھتے ہیں۔ تو پہلے اسی اصل پر بحث فرمایئے۔ پھر ابو داؤد کی حدیث پر بحث ہو سکے گی۔

جہاں تک عمادی صاحب کے شبہات کا تعلق ہے ان پر روایۃً اور درایۃً بحث ہو چکی ہے۔

"کسر رہ گئی"

عمادی صاحب کا مضمون "قصہ افک" متعلق جو کچھ تھا وہ آپ کے سامنے ہے لیکن "طلوع اسلام" کے ادارہ میں کوئی صاحب فرماتے ہیں۔ عمادی صاحب کے شاہکار میں کسر رہ گئی۔ وہ فرماتے ہیں "لیکن جب تک روایت کا باقی حصہ سامنے نہ لایا جائے۔ اس سازش کی گہرائی سمجھ میں نہیں آسکتی"

اب یہ حضرت گہرائی کی پیمائش کے لیے تشریف لائے ہیں۔ یہ پیمائش تقریباً پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ حضرت قرآنی تعلیمات سے بے خبر اور ذہانت سے خالی معلوم ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ :۔

"سورۂ نور میں تہمت کی سزا اسی درّے مقرر کی گئی ہے اور ایسے شخص کی شہادت مقبول نہیں۔ الزام کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوگی معلوم ہوتا ہے۔ مدینہ میں اس قسم کا واقعہ تھا اور یہ ہدایات اسی واقعہ کے سامنے لاکر دی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا واقعہ (معاذ اللہ) حضورؐ کی ازواج مطہرات سے کسی کے متعلق ہوتا۔ تو قرآن اس کا بیان تصریحاً کرتا" اھ مختصراً۔

قرآن عزیز نے یہاں پر عام حکم فرمایا ہے جس میں ازواجِ مطہرات اور المحصنات المومنات برابر شامل ہیں۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً (الآیہ)

"جو پاکباز عورتیں تہمت تراشی کریں۔ اور چار گواہ مہیا نہ کر سکیں تو اس کو اسی کوڑے لگائیں جائیں"

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

"جو لوگ بے خبر پاکباز مومن عورتوں پر الزام لگاتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور بہت بڑا عذاب ہے"

علامہ طلوعی فرماتے ہیں۔ کہ "مدینہ میں کوئی واقعہ ہوا ہوگا لیکن ازواجِ مطہرات سے اس کا تعلق نہیں"۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ "طلوعِ اسلام" کا منشاء کیا ہے؟ ظاہر ہے قرآن حکیم نے تہمت تراش حضرات کے خلاف

ملک کے شرفاء کو ایک قانونی تحفظ دیا ہے۔ قرآن کے عمومی قانون کا منشاء یہ ہے کہ :۔

"یہ تحفظ خاندان نبوت اور تمام شرفاء مسلمین کے برابر ہے۔"

کیا طلوعِ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ :۔ "خاندان نبوت اس تحفظ سے مستثنیٰ ہے؟ ان کے خلاف منافقین کو حق ہے کہ وہ تہمت تراشی کریں اور ان مقدس انسانوں کو بدنام کریں"

خیال یہ ہے کہ کوئی شریف آدمی یہ مفہوم پسند نہیں کریگا۔

"قصہ افک میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ خاندان نبوت کے ایک مقدس فرد کو ایسے آبرو باختہ افراد سے سابقہ پڑا قانون نے مقدور بھر اس کی حمایت کی اپنے آدمیوں کو بھی سزا سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ عبداللہ بن ابی منافق کو اتنا گندہ کیا کہ قیامت تک اس پر لعنتیں برستی رہیں گی"۔ اس استثناء کا معنی یہ ہوگا کہ

"آپ حضرات کی ہمدردیاں عبداللہ بن ابی کے ساتھ ہیں۔ عقیدۃً وہ آپ سے قریب ہے"۔ مقام نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی حجیت سے وہ بھی گھبراتا تھا۔ اور آپ بھی اس سے پریشان ہوتے ہیں۔ (رایت المنفقین یصدون عنک صدودا) یا پھر آپ یہ چاہتے ہوں گے کہ خاندان نبوت پر دشمنوں کی طرف سے کبھی کوئی الزام نہ آئے۔ ان کی آبرو دنیا میں چاند کی طرح صاف ہو۔

"لیکن یہ آرزو قطعی غیر دانشمندانہ ہے۔ دشمنوں کی زبانوں پر کیسے کنٹرول کر سکتے ہیں"

قصہ افک میں تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تذکرہ ہے، تمام انبیاء علیہم السلام پر ان مخالفین نے مختلف تہمتیں لگائیں، ساحر، کاہن، شاعر، مفتون، کذاب، مفتری، ایسے ایسے الزام لگائے گئے اسے کون روک سکتا ہے۔ آپ کی عقلمندی یہ ہے کہ آپ منافقین کی زبانیں تو روک نہ سکے آپ نے حقائق کا انکار کیا اور امت کے مخلص خدام کے خلاف بدزبانی شروع کر دی اور عبداللہ بن ابی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے انکا براءت پر تہمت تراشی کی جو اپنوں اور بیگانوں کی نظروں میں مضحکہ ہے۔ فَمَالِ هٰؤُلَآءِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا۔

آپ نے اتنا نہ سوچا کہ :۔ منافقین اور مخالفین کی کذب بیانوں اور بہتان تراشیوں سے تو اہل حق کی آبرو بڑھتی ہے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، اعمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ گناہ دھلتے ہیں آپ حضرات کا یہ وطیرہ فکری پریشانیوں اور عقل وشعور کی تاریکیوں کی زندہ مثال ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عقل عطا فرمائے علم تو محنت کی چیز ہے اس کیلئے بھی کوشش فرمائیے!

دوسرا شبہ :۔ ان حضرات نے دوسرا شبہ یہ قرار دیا ہے کہ :۔

236

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے بموجب حضرت عائشہؓ کی پروا نہیں کی ان کو صفائی کا موقعہ نہیں دیا" وغیر ذٰلک من الخرافات۔

اس عقلمند نے اتنا نہیں سوچا کہ تہمت کے ظہور کے بعد اس کی نوعیت فوجداری کیس کی ہو جاتی ہے جس کے بعد لازماً جو مجرم ثابت ہو جائے اسے سنگین سزا دینا واجب ہے۔ متہمہ بیمار ہے۔ آپ کی یہ خواہش ہے کہ مریضہ کو تفتیش میں رکھا جائے۔ یا پھر بلا تحقیق تہمت لگانے والوں کو اسّی اسّی کوڑے لگا دیئے جائیں پھر فرمادیں گے حدیث موضوع ہے بلا تحقیق سزا دے دی گئی۔

اتنا بڑا سنگین فوجداری کیس ایک ماہ میں مکمل ہو گیا۔ ملزم کو صفائی کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور اسے باعزت بری کر دیا گیا اور عدالت پر کنبہ پروری، خویش نوازی کا الزام دشمن بھی نہ دے سکے۔ حسان بن ثابتؓ، حمنہ بنت جحشؓ، مسطح بن اثاثہ کو حد قذف لگ کر معاملہ پوری طرح صاف ہو گیا تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغل بادشاہ سمجھتے ہو۔ یا کوئی راجہ، رانی یا شاہزادی کے تیور بدلے دیکھ کر قتل عام کا حکم دے دے اور آپ حضرات پھر منافقین کی طرح مذاق اڑاتے اور ایسی احادیث کو وضعی کہنے لگیں جو کیا گیا، یہی مقتضاء عقل و انصاف تھا!

اہل حق کی نظر میں قصہ افک انسانی مساوات کا شاہکار ہے اور معاملہ فہمی اور عاقبت اندیشی کی زندہ تصویر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انصاف پسندی اور صداقت کی بین شہادت اور آنے والی دنیا کے لیے انصاف اور تدبر کی زندہ مثال ہے جس نے کفار کی شر انگیزی اور منافقین کی شرارت پسندی کا خاتمہ کر دیا۔ منافق دیکھتے دیکھتے رہ گئے ——

سچ ہے۔

یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا وما یضل به الا الفسقین۔

فما لهم عن التذکرة معرضین۔ کانهم حمر مستنفرة۔ فرت من قسورة۔ بل یرید کل امرئ منهم ان یؤتی صحفا منشرة۔

کلا بل لا یخافون الاخرة۔

04905

ندوۃ المحدثین

زیرِ طبع کتب ۱۹۸۳ء

۱. امام بخاریؒ کا مسلک ـــــ شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفیؒ
۲. مقامِ حدیث ـــــ شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفیؒ
۳. تُرکِ اسلام ـــــ شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ
۴. حق پرکاش ـــــ شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ
۵. مسح جورب ـــــ (ترجمہ) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ
۶. آثار الکتب ـــــ ضیاء اللہ کھوکھر
۷. دِلّی کے اہلحدیث مدارس ـــــ ضیاء اللہ کھوکھر
۸. مقالات امام خان نوشہرویؒ ـــــ ضیاء اللہ کھوکھر